دارالعلوم ماٹلی والا کا شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف

تخصص فی الحدیث، تاریخ، اہمیت وضرورت

تخصص کا نصاب ونظام الاوقات، اب تک کی خدمات کا جائزہ، تخصص کی اہمیت وفوائد، تخصص فی الحدیث کی اہمیت وضرورت کے سلسلے میں اس فن کے ماہرین و متخصصین اساتذۂ کرام کی آراء، اسلام کی تشریعی خدمات میں حدیث شریف کا مقام، معاشرہ کی اصلاح میں حدیث شریف کا کردار، قرون وسطی میں محدثین گجرات کی شاندار حدیثی تصنیفات، عصر حاضر میں تخصص فی الحدیث کی ضرورت، شعبہ کی طرف سے تصنیف کی گئی کتابوں کا تعارف وخصوصیات، نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم، شعبہ کی بنیادی ضروری کتابوں کی طرف طلبۂ عزیز کی رہنمائی اور ۱۳؍سالہ متخصصین کے اسمائے گرامی اور ان سے متعلق تخریج، نیز ان کی تحریرات وتصنیفات کو بھی ذکر کیا ہے۔

مؤلف:

(حضرت مولانا) اقبال بن محمد ٹنکاروی (صاحب)

(مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ)

کتاب کے متعلق ضروری معلومات

کتاب کا نام: تخصص فی الحدیث، تاریخ، اہمیت وضرورت

مؤلف : حضرت مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم
مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ

صفحات : ۱۶۴

سن طباعت: شعبان ۱۴۴۰ھ مطابق اپریل ۲۰۱۹ء

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ابوبکر ربیع بن صبیح بصری

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، عیدگاہ روڈ، بھروچ

گجرات، انڈیا۔ ۳۹۲۰۰۱

فہرست

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ
۱	**مقدمہ**	۶
۲	امت میں دینی ذوق کا تسلسل حدیث کا مرہون منت	۱۸
۳	حدیث مسلمانوں کی زندگی کا معیار اور مصلحین امت کی تربیت گاہ	۲۳
۴	علم حدیث کی شرافت وفضیلت	۲۴
۵	محدثین کی قربانیوں کا نتیجہ	۲۵
۶	انکار حدیث کے نئے محرکات وعوامل	۲۶
۷	عصر حاضر میں اشتغال بالحدیث کیسے؟	۲۸
۸	تخصص فی الحدیث امید کی ایک کرن	۲۹
۹	**علم حدیث کی اہمیت ومرتبت**	۳۱
۱۰	اسلامی ماحول کی تشکیل میں حدیث کا بنیادی کردار	۳۲
۱۱	**علماء گجرات کی حدیثی خدمات**	۳۶
۱۲	کچھ مدت کے لئے گجرات میں اقامت اختیار کرنے والے محدثین	۴۱
۱۳	شاہان گجرات کی علم دوستی	۴۵
۱۴	تابناک ماضی سے شاندار حال کا ربط اور مستقبل کی بنیاد	۴۷
۱۵	**تخصص فی الحدیث ضرورت واہمیت**	۴۷
۱۶	علوم حدیث–دور جدید میں	۵۲
۱۷	اختصاص کیوں ضروری ہے؟	۵۳
۱۸	اختصاص کا معنی	۵۸

۱۹	علوم حدیث میں اختصاص کی ضرورت	۵۹
۲۰	مقاصد واہداف	٦٧

شعبۂ تخصص فی الحدیث دار العلوم ماٹلی والا

۲۱	نصاب تعلیم	۷۲
۲۲	طریقۂ تخریج	۷۵
۲۳	کتابوں کا مطالعہ	۸۰
۲۴	کتب خانہ	۸۱
۲۵	اصول وضوابط	۸۳
۲۶	**فارغین شعبۂ تخصص فی الحدیث**	۸۵
۲۷	فارغین تخصص کے علمی کارنامے	۹۰

شعبہ کی تحریری کاوشیں اور کتابوں کا تعارف

۲۸	**نشر الطیب کی احادیث کی تخریج وتفصیل**	۹۴
۲۹	تخریج کے دوران پیش آمدہ مشکلات	۹٦
۳۰	**زجاجۃ المصابیح کی احادیث کی تخریج وتفصیل**	۱۰۱
۳۱	زجاجۃ المصابیح ماضی قریب کے محدثین کی نظر میں	۱۰۲
۳۲	مصنف کا منہج اور طریقۂ کار	۱۰٦
۳۳	زجاجۃ المصابیح کی تخریج میں خطۂ عمل وطریقۂ کار	۱۱۰
۳۴	**امام بخاریؒ کا طریقۂ استدلال واستنباط، فقہ، اصول فقہ ومقاصد شریعت کے تناظر میں، وجہ تالیف وطریقۂ کار**	۱۱۳
۳۵	امام بخاریؒ کے اصول وقواعد کا اجمالی خاکہ	۱۱۸

۳۶	**توجیہ الاخبار فی شرح مشکل الآثار-فن کی اہمیت اور کام کی نوعیت**	۱۲۷
۳۷	**حدیث کے اصول و مصطلحات منہج حنفی کی روشنی میں-وجہ تالیف اور طریقۂ کار**	۱۳۳
۳۸	**امام بخاریؒ کے جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط**	۱۴۲
۳۹	امام بخاریؒ اور جرح وتعدیل میں آپ کا منہج	۱۴۶
۴۰	وجہ تالیف وطریقۂ کار (ملحوظہ)	۱۴۸
۴۱	**اخبار آحاد اور ان کی استدلالی حیثیت**	۱۵۰
۴۲	خبر واحد کے افادۂ علم میں مختلف اقوال	۱۵۰
۴۳	طلبہ کی کاوشوں کا اجمالی خاکہ	۱۶۱

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله الخبير البصير والصلوٰة والسلام على البشير النذير وعلى آله وأصحابه واتباعه السائرين على نهجة النير الذين قعدوا لسنة المطهرة وعلومها القواعد، وضبطوا لحفظها كل شارد ووارد ، وردّوا عنها كيد كل مفتر وكائد ، وحفظوها وحافظوا عليها من الاقارب والأباعد، وبذلوا في تحقيق ذلك النفس والنفيس من كل كريم وماجد.

فجزاهم الله خيرا عن الامة والاسلام واقرعيونهم برضوانه العظيم فى دار السلام، ورزقنا السير على منهاجهم لبلوغ المرام.

مسلمانوں نے آغاز اسلام سے قرآن کریم کے بعد علم حدیث کو اپنے سینہ سے لگایا اور اپنی پوری محنت، قابلیت اور اخلاص وعقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات واسناد کی حفاظت کی مثال پیش نہیں کرسکتی اور ایسا ہونا ضروری تھا؛ کیوں کہ اسلام قیامت تک کی زندگی لے کر آیا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کے ہر حرف کو دوام بخشا اور علم حدیث کے اوراق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اہل بصر کو چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں کا مقولہ ہے، جس گھر میں حدیث کا مجموعہ ہے، **فكأنما فيه نبي يتكلم**، اس گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی تکلم فرمارہے ہیں۔

اسی بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبارک قول میں ظاہر فرمایا۔ انی ترکت فیکم امرین، لن تضلوا ماتمسکتم بهما، کتاب اللّٰہ، وسنة رسوله۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے پاس قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مل کر قیامت تک یہ ہدایت کا سرچشمہ رہے گا۔

اسی لئے ماحول کی درستگی میں قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کا بھی بنیادی کردار رہتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودہ سرسبز و بارآور ہوتا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، جو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق اور حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی نیز ایشیاء کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں رہا تھا، انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلاء کو ''پیروان مذاہب'' و''پیران طریقت'' کے واقعات وملفوظات سے پر کیا، مگر اس ''خانہ پوری'' نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعت ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا مجموعہ بنا دیا، جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔

غور وفکر کیا جائے اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر علم کی ایک خاصیت ہوتی ہے، اور اس علم سے دل بستگی اور وابستگی کی وجہ سے نفس انسانی میں ایک خاص- کیفیت خواہ بری ہو؛ بھلی- پیدا ہو جاتی ہے، علم حدیث سے وابستگی اور مزاولت صحابیت کی شان پیدا کر دیتی ہے، کیوں کہ صحابیت کے معنی دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احوال سے واقفیت اور ہر عبادت وعادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوضاع واطوار کا مشاہدہ کرنے کے ہیں، اور یہ بات امتداد زمانہ کی وجہ سے اس شخص کی قوت مدرکہ اور متخیلہ میں- جو اس علم سے وابستگی رکھتا ہے- ایسی جم جاتی ہے اور راسخ ہو جاتی ہے کہ مشاہدہ کے حکم میں

ہوتی ہے۔

چنانچہ حسب ذیل شعر میں اسی طرف اشارہ ہے ؎

اہل الحدیث ہم اہل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان لم یصبحوا نفسہ انفاسہ صحبوا

اہل حدیث (حدیث سے وابستہ افراد) ہی اہل نبی ہیں، اورانہیں گو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں، مگر آپ کے انفاس قدسیہ کے ساتھ شرف صحبت حاصل ہے۔ (عجالۂ نافعہ:۳۲)

حاصل یہ ہے کہ یہ علم وہ نور ربانی ہے، جس کا مشکوۃ نبوت مرکز ومخزن ہے، اور سند متصل کے تاروں کے ساتھ وہ قلوب علماء میں پہنچ رہا ہے اوران کے قلوب سے عامۃ المسلمین کے قلوب تک پہنچ کران کو جگمگ کررہا ہے، یہ ضروری ہے کہ قلوب کا تعلق اس نور ربانی سے منقطع نہ ہو۔

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گجرات کوحق تعالی شانہ نے بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے، ہند کے ساحل پر ہونے کی وجہ سے طبعی طور پر جزیرۃ العرب کی ایمانی شعاعیں سب سے پہلے یہیں جلوہ گر ہوئیں، بلکہ اسلامی فتوحات سے قبل ہندوستان کے جس علاقہ سے عرب سب سے زیادہ متعارف تھے وہ گجرات تھا، عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں میں البیرونی، مسعودی اور ادریسی نے یہاں کے دریاؤں اور جغرافیائی حالات پر بہت دلچسپ روشنی ڈالی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب ؓ کے عہد میں ہی سواحل گجرات پر مسلمانوں کی تشریف آوری ہوچکی تھی، حضرت عمرؓ کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ ۱۵۹ھ میں عباسی خلیفہ المہدی باللہ کے سپہ سالار ابن شہاب المسمعی کی رضا کار فوج میں مشہور محدث

ابوبکر ربیع بن صبیح بھی شامل تھے جو صرف تبع تابعی ہی نہیں بلکہ حدیث کے زبردست ماہر تھے، آپ کے تلامذہ میں حضرت سفیان ثوری، عبدالرحمن بن المہدی، وکیع بن الجراح اور علی بن عاصم جیسے محدثین کبار وماہرین حدیث شامل ہیں۔

اس طرح گجرات میں علم حدیث کا آغاز وقت کے ایک بہت بڑے محدث کے ذریعہ ہوا اور خاک نربدا نے اس کو اپنے سینہ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ کرلیا۔

دہلی کا مرکز حدیث گجرات کے بہت بعد میں منصۂ شہود پر آیا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (جن کو محدثین گجرات سے اخذ فیض کا شرف حاصل ہوا) نے اپنی مسند درس بچھائی نہیں تھی کہ گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا، صحیح بخاری کی شروحات لکھی جا چکی تھیں، علامہ سخاوی، علامہ ابن حجر مکی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری کے تلامذہ کافی تعداد میں آکر بس چکے تھے، اورانہوں نے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں اپنی زندگیاں گزاردی تھیں، یہاں کی درسگاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند سے تشنگان علوم ومعرفت کو کھینچتی تھیں، شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحر عالم یہاں موجود نہ ہوں۔

گجرات کے علماء میں مولانا نورالدین شیرازی، شیخ علی مہائمی، شیخ احمد کھٹو، حضرت شاہ عالم، مفتی رکن الدین، مفتی قطب الدین، مولانا جمال الدین محمد بن حضرمی، شہاب الدین احمد العباسی، شیخ علی متقی، سید عبدالاول حسینی، شاہ وجیہ الدین علوی، مولانا راجح بن داود قاضی جگن، مولانا علاؤالدین، مولانا محمد بن طاہر پٹنی، مولانا عبدالملک عباسی (حافظ بخاری لفظاً ومعناً) مولانا صبغۃ اللہ، قاضی علاؤالدین عیسیٰ، قاری برہان الدین، عبدالقادر حضرمی، (النورالسافر فی اعیان القرن العاشر کے مصنف) محمد بن عمر آصفی (ظفرالوالہ بمظفر وآلہ کے مصنف) مولانا احمد سلیمان کردی، مولانا نورالدین، مولانا خیرالدین، مولانا ولی اللہ، قاضی

شیخ الاسلام (سلطان عالمگیر کے عہد میں قاضی القضاۃ) اور قاضی ابوسعید وغیرہ کے نام ہندوستان کی علمی تاریخ میں قابل فخر ہیں۔

مولانا نورالدین احمد شیرازی سلطان احمد شاہ اول کے زمانے میں سب سے پہلے حدیث شریف کے علوم کو سینہ سے لگا کر گجرات آئے۔جن کی بخاری کی سند اتنی عالی تھی کہ جب حجاز و یمن میں پہونچی تو بڑے بڑے محدثین نے اس کو شوق و ذوق سے حاصل کیا۔

علامہ بدرالدین دمامینی نے مصابیح الجامع احمد شاہ بادشاہ کے نام معنون کی ،اور دوسری شرح سید عبدالاول حسینی کی فیض الباری بھی اسی سرزمین پر لکھی گئی۔

شیخ راجح بن داؤد گجراتی علامہ سخاوی کے شاگرد تھے، پھر مولانا وجیہہ الدین مالکیؒ آئے، سلطان گجرات نے ان کو ملک المحدثین کے لقب سے نوازا، ان کے ہی ہم عصر مولانا علاؤ الدین احمد نہروالی، شیخ نورالدین شیرازی ہیں جن سے حرمین شریفین کے علماء نے حدیث شریف کی اجازت حاصل کی۔

شیخ علی متقی صاحب کنز العمال اور ان کے ہونہار شاگرد شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ صاحب ''مجمع بحار الانوار'' نے علم حدیث کی ترویج کو زندگی کا مشغلہ بنایا تھا۔مولانا عبدالملک عباسی جو بخاری شریف کے لفظاً و معناً حافظ تھے، زبانی ہی بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔

شیخ قطب الدین نہروالی (استاذ ملا علی قاریؒ) کو حرمین شریفین میں حدیث شریف کے درس دینے کا شرف حاصل ہوا۔مولانا نورالدین احمد آبادی، نور القاری شرح صحیح البخاری کے مصنف و کثیر التصنیفات تھے، مولانا خیرالدین سورتی، جنہوں نے پچاس سال سورت میں حدیث شریف کا درس دیا، شیخ تاج الدین پٹنی صحاح ستہ کے حافظ تھے، شاہ وجیہہ الدین علوی (شارح شرح نخبۃ الفکر) کثیر التصنیفات مصنف ہیں۔

محدثین گجرات نے ایسے حالات میں حدیث شریف کی ترویج وتدریس کی جبکہ ہندوستان کے بیشتر خطوں کے علمائے کرام منطق وفلسفہ کی موشگافیوں میں الجھے ہوئے تھے۔

بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ”یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں جن کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا، اور جن سے استفادہ کو باعث فخر وشرف سمجھا گیا وہ زیادہ تر علماء گجرات تھے، گجرات کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس کی سرزمین تقریبًا صوفیاء کرام کے تمام سلاسل کو- جنہوں نے ہندوستان میں ارشاد وتلقین کا کام انجام دیا ہے-راس آئی اور یہاں ہر سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں اور جب دہلی وملتان کی شمعیں بجھنے لگیں تو احمد آباد، سرخیز، سورت، بھروچ اور پٹن کی سرگرمیوں نے آنکھوں کو خیرہ کردیا۔“

گجرات کے محدثین کی ان خدمات جلیلہ وتصنیفات عنیقہ کی تاریخ پڑھنے لکھنے کا بار بار موقع میسر ہوا، ہر مرتبہ یہ پڑھ کر دل میں داعیہ پیدا ہوتا تھا کہ حدیث شریف کی خدمت کے سلسلے میں کچھ آگے پیش رفت ہونی چاہئے۔

حدیث شریف کی درایت پر تو مدارس میں کافی طویل بحثیں ہوتی ہیں، لیکن روایت حدیث، اصول جرح وتعدیل، مصطلحات، مشکلات الحدیث، وجوہ ترجیح وغیرہ اہم امور سے صرف نظر کیا جاتا ہے، ہماری طرف سے اسماء رجال کی تحقیق اور روات حدیث کی حیات مبارکہ وغیرہ امور سے صرف نظر نے علمی اعتبار سے ہمیں یہ نقصان پہونچایا کہ ہمارے فارغین مصطلحات، اسماء رجال اور اصول حدیث سے بالکل بے پرواہ ہوگئے، دوسری طرف اس میدان میں کچھ ایسے لوگ داخل ہوگئے جو اس کے اہل نہیں تھے، یا جن کے مقاصد صحیح نہیں تھے، اور انہوں نے ائمہ مجتہدین کے اجتہادات، استنباطات پر نقد حدیث کے عنوان سے

معرکہ شروع کردیا۔اور احادیث مبارکہ پر ضعیف بلکہ موضوع ہونے کے الزامات بھی لگائے، اور محدثین عظام واصحاب جرح وتعدیل کی محنتوں پر پانی پھیردیا۔

اتفاقاً انہیں سالوں (۱۴۱۵ھ) میں مظاہر العلوم سہارنپور میں اور اس کے پانچ سال بعد دارالعلوم دیوبند میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم ہوا، تو بندہ نے دل میں سوچا کہ دیوبند وسہارنپور کے تخصص فی الحدیث کے نظام کو قریب سے دیکھنا چاہئے، چنانچہ اسی ارادے سے میں نے اور رفیق محترم حضرت مولانا ابراہیم صاحب ولنوی (مقیم برطانیہ) نے دارالعلوم دیوبند ومظاہر العلوم کا سفر کیا اور دونوں جگہ کے تخصص فی الحدیث کے اساتذہ سے ملاقات کی، نصاب ونظام کے متعلق طویل گفتگو ہوئی، طلبہ کی محنت اور تخریج کے کام کو قریب سے دیکھا، کتب خانے میں حدیث شریف کی کتابوں کی ضرورت وغیرہ امور کا بخوبی جائزہ لیا، مظاہر العلوم میں حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ کی خدمت میں زیادہ وقت گزارا، حضرت مولانا سے تخصص فی الحدیث الشریف کے شعبہ کے اجراء کے لئے دعاء کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ ضرورت سمجھ کر کھول رہے ہو تو ضرور برکات ہوگی۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ سے ہی تخریج کے لئے مدرس کی ضرورت بھی پیش کی گئی، آپ نے چند نام پیش کئے، لیکن وہ سب حضرات کسی نہ کسی ادارہ سے وابستہ تھے، لہذا ان حضرات سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا، لیکن حضرت مولانا زین العابدین صاحب اور دیوبند میں حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ حضرات جس کو بھی مناسب سمجھیں ان کو ماٹلی والا بھیج دیں، مختلف حضرات سے رابطے میں رہے، لیکن چونکہ سال کا اختتام تھا؛ لہذا کم وقت میں مناسب آدمی ملنا مشکل تھا تو دل میں یہ سوچا کہ دارالعلوم ماٹلی والا کے حدیث شریف کے اساتذہ کرام کافی سالوں سے حدیث شریف کی

خدمت میں مشغول ہیں، تخریج حدیث کے علاوہ نصاب کی کتابیں ان ہی حضرات کے حوالے کردوں، اور میں خود ہی تخریج کے طرق کو کتابوں سے سمجھ لوں، اور متقدمین علمائے تخریج کی کتب کا بھی مطالعہ کرلوں، اور اس طرح نئے سال سے تخصص کے شعبہ کا آغاز کردیا۔

الحمدللہ دارالعلوم ماٹلی والا کے شعبۂ عالمیت اور شعبۂ افتاء کے فارغین تین ذہین، ذکی، محنتی اور باذوق طلبہ عزیز نے اس شعبہ میں داخلہ لیا، اور بغیر تشہیر واعلان کے سال ختم کیا، پہلے سال انہوں نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کی احادیث کی تخریج کی، پھر دوسرے سال ان میں سے مولانا رشید احمد منوبری صاحب نے انہیں احادیث کی تنقیح کر کے اس کو کتابی شکل میں مرتب فرمایا۔

سال ختم ہونے کے بعد تخریج کے لئے مستقل متخصص کی تلاش میں تھا کہ اللہ پاک نے مولانا ارشد صاحب حسن پوری کو دارالعلوم ماٹلی والا بھیج دیا، مولانا زین العابدین صاحب نے مولانا کا نام پیش کیا تھا۔ الحمدللہ تب سے لے کر آج تک تخریج وتمرین کی ذمہ داری آپ کے ہی سپرد ہے۔

شعبہ تخصص فی الحدیث الشریف:

شعبہ تخصص فی الحدیث کی خدمت کا آغاز ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء میں ہوا تھا۔ ابتداء سال میں جامعہ ہذا کے تین فاضل کا داخلہ منظور کیا گیا اور اس فن جلیل کی خدمت کا مبارک سلسلہ جاری ہوا، جس میں رواۃ کے حالات، ان کے بارے میں جرح وتعدیل، ان کے ضعف وثقاہت سے قبول حدیث اور عمل بالحدیث پر ہونے والے اثرات، اس باب کی باریک کمزوریاں، حدیث شریف پر ہونے والے قدیم وجدید اعتراضات کے

جوابات ، اصول الحدیث ،مصطلحات الحدیث وغیرہ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے احادیث پر حکم لگانا،ان جیسے دیگر حدیث سے متعلق علوم پڑھائے جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ کوئی آدمی استفتاء کی صورت میں کسی حدیث کی وضاحت چاہتا ہے، تو اس کی تحقیق بھی اس شعبہ سے کی جاتی ہے،اس شعبہ میں ابتداءً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ’’نشر الطیب‘‘ پر تحقیقی کام شروع ہوا جس کی ۴۱ فصلوں میں سے ۲۰ فصلوں پر تحقیقی کام پورا ہو چکا ہے،اور اس کا کام مکمل ہونے کے بعد ابوالحسنات سید عبداللہ بن مولانا سید مظفر حسین حیدر آبادیؒ کی تالیف ’’زجاجۃ المصابیح‘‘ معروف بہ مشکوٰۃ الحنفی پر تحقیقی کام شروع ہوا ،جو کچھ سالوں کی محنت کے بعد گذشتہ سال پورا ہوا، اس کتاب کا تحقیق کے لئے انتخاب مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ نے کیا،اس کی تکمیل کے بعد اس شعبہ میں تفسیر مظہری میں مذکور احادیث کی تحقیق کا کام اکابر علمائے کرام کے مشورہ سے شروع کیا تھا وہ بھی اس سال مکمل ہوا،تو اب مشکوۃ المصابیح کی احادیث کی تخریج کا آغاز کیا ہے۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث کے اجراء کو الحمدللہ تعالی بارہ سال ختم ہو چکے ہیں،تو اس مناسبت سے تخصص کا نصاب ونظام الاوقات، اب تک کی خدمات کا جائزہ اور تخصص کی اہمیت وفوائد کو علماء کرام وطلبۂ عزیز کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس کتاب میں تخصص فی الحدیث کی اہمیت وضرورت کے سلسلے میں اس فن کے ماہرین ومتخصصین اساتذۂ کرام کی آراء، اسلام کی تشریعی خدمات میں حدیث شریف کا مقام،معاشرہ کی اصلاح میں حدیث شریف کا کردار،قرون وسطی میں محدثین گجرات کی

شاندار حدیثی تصنیفات، عصر حاضر میں تخصص فی الحدیث کی ضرورت وغیرہ موضوعات پر مولانا رشید احمد منوبری صاحب نے شاندار اور وقیع مضمون مرتب کیا ہے، جس میں حدیث کے متخصصین کی بہترین تصنیفات وآراء سے فائدہ اٹھایا ہے، متخصصین میں مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا سید احمد رضا بجنوری، مولانا عبدالماجد رفیق صاحب، (شعبۂ تخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی)، مولانا معاویہ سعدی (شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہانپور) مولانا محمد یاسر عبداللہ (استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن)، مولانا ساجد صدوی (شعبۂ تخصص فی الحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی) اور شعبہ کی طرف سے جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان کا تعارف وخصوصیات بھی اچھے انداز میں ذکر کی گئی ہیں۔

دارالعلوم ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے ذمہ دار مولانا ارشد صاحب نے نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم کے عنوان سے چھ جامع عنوانات کی بہترین تشریح فرمائی ہے، شعبہ کی بنیادی ضروری کتابوں کی طرف طلبۂ عزیز کی رہنمائی فرمائی ہے، اور ۱۳/ سالہ متخصصین کے اسمائے گرامی اور ان سے متعلق تخریج، نیز ان کی تحریرات وتصنیفات کو بھی ذکر کیا ہے۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث کی سرپرستی حضرت شیخ المشائخ مولانا محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم روز اول سے ہی فرما رہے ہیں، اسی طرح مفکر ملت حضرت الاستاذ مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب بھی تادم حیات ہماری مسلسل نگرانی وسرپرستی فرماتے رہے، جب بھی آپ کی خدمت میں حاضری ہوتی تو فوراً تخصص فی الحدیث کی سرگرمیوں کے متعلق ضرور دریافت فرماتے، حدیث شریف کی کسی بھی نئی کتاب کا علم ہوتا یا آپ کے پاس آتی تو ضرور اس سے مطلع فرماتے، کبھی کبھی تو شعبۂ تخصص کے لئے حدیث شریف کی قیمتی کتابیں منگواتے

اور ماٹلی والا تشریف لاکر خود حاصل مطالعہ ذکر کرتے، طلبۂ تخصص فی الحدیث کو جمع فرما کر قیمتی نصیحتیں فرماتے۔

حضرت مولانا تقی الدین ندوی صاحب دامت برکاتہم کی کاپودرا تشریف آوری کے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے حضرت مفکر ملتؒ نے ماٹلی والا کے لئے پروگرام بنایا اور حضرت مولانا تقی الدین صاحب نے حدیث مسلسل بالاولیہ اور بخاری شریف کا درس دینے کے بعد شعبۂ تخصص فی الحدیث کا معاینہ کیا، طلبۂ عزیز کی کاپیاں جانچی اور بہت خوشی کا اظہار کیا اور ''الشارق'' میں بہت وقیع انداز میں اس کا تذکرہ کیا۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم کی بھی حضرت مفکر ملت نے ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اور حضرت فقیہ العصر کی بھی خصوصی توجہات کے ہم ممنون ومشکور ہیں، مفکر ملت نے حضرت فقیہ العصر کے کنیڈا کے سفر میں ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے سلسلہ میں کئی مشورے کئے، اتفاق سے حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم سے فون سے بات چیت ہوئی تو حضرت نے کنیڈا کے سفر کا ذکر کرتے ہوئے ''زجاجۃ المصابیح'' کی احادیث کی تخریج کے متعلق ہونے والے مشورہ کا ذکر کیا، تو میں حیران رہ گیا کہ اللہ پاک کا یہ بندہ ہزاروں میل دور رہتے ہوئے بھی ہمارے ادارے کے شعبۂ حدیث کی فکر کر رہا ہے، اور متخصصین واہل بصیرت سے ہمارے لئے مشورے طلب کر رہا ہے، فجزاہ اللہ تعالی عنا خیرا۔

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے اہم اور فعال رکن حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی کو سخت گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت دارالعلوم ماٹلی والا ساتھ لے کر آئے۔ اور شعبۂ تخصص فی الحدیث کا معاینہ کروایا، طلبۂ عزیز کی تخریج

کی کا پیاں دکھلائی، اورز جاجۃ المصابیح کی تخریج کے سلسلے میں مفید مشورے کئے گئے، حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی کے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ آپ نے بہت سے مفید مشورے دیئے، تخریج کے سلسلہ میں طلبۂ عزیز کی رہنمائی فرمائی، یہ سب فوائد وعملی برکتیں حضرت مفکر ملت کے سوز دروں کا ہی صدقہ ہے، میں اپنے اور طلبۂ علم حدیث کے اس عظیم محسن کا شکر یہ ادا کرنے سے قاصر ہوں لہذا حق سبحانہ وتعالی کی بارگاہ میں دست بدعاء ہوں کہ وہ حضرت مفکر ملت کو اپنی شان عالی کے مطابق بدلہ عنایت فرمائے اور شعبہ تخصص فی الحدیث کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے، آمین۔

نیز شعبۂ تخصص کے اساتذہ کرام خصوصا مولانا ارشد صاحب حسن پوری، مولانا رشید صاحب منوبری اور مولانا عبداللہ لاجپوری صاحب کا بھی ممنون ومشکور ہوں کہ ان کی مساعئ جمیلہ سے یہ کتاب منصۂ شہود میں آئی، حق تعالی شانہ ان تمام حضرات کو اپنی شان کے مطابق بدلہ عنایت فرمائے۔آمین۔

(حضرت مولانا مفتی) اقبال بن محمد ٹنکاروی (صاحب دامت برکاتہم)

مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ

۱۸/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ ۲۶/مارچ/۲۰۱۹ء

الحمد لله رب العالمين ،والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلىٰ آله واصحابه اجمعين۔ امابعد!

مولانا عبدالماجد رفیق صاحب لکھتے ہیں:

کسی صاحب بصیرت اللہ والے نے کیا خوب کہا ہے:"اصلاحِ نفس کے لیے اشتغال بالحدیث سب سے اقرب ذریعہ ہے۔" یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار حبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے سرشار کوئی بھی صاحبِ علم شخص نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ حدیثِ نبوی امت اسلامیہ کے لیے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لیے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب وتدوین، حفظ اور نشر واشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی وذہنی، عملی اور اخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا اور کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ اس لیے کہ سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹادیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے، جس طرح کاغذ کا گھروندا؟!

امت میں دینی ذوق کا تسلسل حدیث کا مرہون منت:

عصرِ قریب کے نامور عالم دین اور عظیم مصلح وداعی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی (متوفی 1999ء) رحمہ اللہ امت میں دینی ذوق اور اسلامی مزاج کا تسلسل وتوارث حدیث ہی کو قرار دیتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

"حدیث وسنت کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد وتسلسل اس وقت تک باقی رہا اور

امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی اور ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو براہِ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد واحکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق ومزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا "مزاج ومذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا، جب وہ "مزاج ومذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزاج ومذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں، اپنی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ وخشیت، وہی استقامت وعزیمت، وہی تواضع واحتساب نفس، وہی بدعات سے نفرت اور جذبۂ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ وشغف کا نتیجہ ہے، یا ان لوگوں کی صحبت وتربیت کا فیض ہے، جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی ومزاجی توارث قرنِ اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط ومادیت تک برابر قائم ہے۔

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ سے عہدِ صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج ومذاق- جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے- باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادّیت، انکارِ آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علم بردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لیے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم

کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں؟ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اس طرح سے محروم الارث، منقطع الاصل اور آوارہ کردینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں، یا حوادثِ روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کردیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں، تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ پھر اس "مزاج ومذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوسکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیاتِ نبوی کا بولتا چلتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہدِ نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔" (حدیث کا بنیادی کردار: ص:۴۹-۵۰، طبع مجلس نشریات اسلام)

اصلاحِ معاشرہ کے لیے اشتغال بالحدیث کی ضرورت:

یہ بات بالکل واضح سی ہے کہ نفوس کی اصلاح سے ہی پورے معاشرے کی اصلاح ہے، اس لیے ہمارے ذاتی، شخصی، خانگی، خاندانی، علاقائی، ملی اور عالمی؛ غرض ہمہ جہت مسائل کی اصلاح کے لیے ہمیں اپنے پورے معاشرتی نظام میں کسی نہ کسی حد تک اشتغال بالحدیث کی ازحد ضرورت ہے۔

مشہور مؤرّخ اور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۷۳ھ) بڑے ہی جامع اور پُرمغز الفاظ میں علمِ حدیث کی اہمیت ومرتبت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ

شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچا تا رہتا ہے، آیات کا شانِ نزول اوران کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح وتعیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین، سب علمِ حدیث کے ذریعے معلوم ہوتی ہے، اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ اور اخلاق وعادات مبارکہ اورآپ کے اقوال واعمال اورآپ کے سنن ومستحبات اوراحکام وارشادات اسی علم حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں، اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اوران کے اعمال واقوال اور اجتہادات اور استنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کے بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے موجود وقائم ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت رہے گا۔" (مقدمہ تدوین حدیث، مقالہ عصر حاضر میں اشتغال بالحدیث کی ضرورت: ص ۱/ا-۳)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

علم حدیث جس کے بارے میں علم بھی دن بہ دن کم ہوتا جارہا ہے اورلوگوں کی دلچسپی بھی روز بروز گھٹ رہی ہے، اس میں مہارتیں دن بدن محدود ہوتی چلی جارہی ہیں، اس علم سے دلچسپی خود اسلامیات کے طلبہ کی محدود ہوتی چلی جارہی ہے، یہ انسانی تاریخ کا ایک انتہائی منفرد اور بے مثال علمی کارنامہ ہے، یہ ایک ایسا بے نظیر علم ہے جس کی مثال پیش کرنے سے انسانی تاریخ قاصر ہے، اس پر تھوڑی سی گفتگو تو آگے چل کر ہوگی، لیکن سر دست اختصار کے ساتھ یہ ذہن میں رکھیے کہ انسانی تاریخ میں کوئی ایسا علم موجود نہیں ہے جس کا مقصد کسی ایک شخصیت کے اقوال وافعال کو محفوظ رکھنا اوراس کو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک کرکے اس طرح منقح کردینا ہو کہ پڑھنے والوں کو ایسا یقین آجائے جیسا کہ آج سورج نکلنے کا یقین ہے۔

جتنی یہ بات یقینی ہے کہ اس وقت سورج نکلا ہوا ہے اتنا ہی اس بات کو یقینی بنا دینا کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہنِ مبارک سے نکلی کہ نہیں نکلی، یہ کاوش انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کی منفرد کاوش ہے۔

انسانی عبقریت، یعنی انسانی Genius کا اظہار دو طریقوں سے ہوتا ہے، یعنی کسی علم وفن میں انسان کی عبقریت کا اگر آپ جائزہ لیں تو دو انداز سے اس کا اظہار ہوتا ہے، ایک انداز تو وہ ہے جس کو آپ تخلیقی عبقریت کہہ سکتے ہیں یعنی Creative Genius۔ تخلیقی عبقریت سے مراد یہ ہے کہ ایسی عبقریت کہ جس میں انسان اپنی عقل سے کام لے کر علوم وفنون کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دے جو کسی اور انسان کی عقل میں نہ آئے ہوں اور انسانی عقل ان کو دیکھ کر حیران رہ جائے، مسلمانوں میں Creative Genius کا سب سے اعلیٰ نمونہ "علم اصول الفقہ" ہے، اصول فقہ سے بڑھ کر کریٹیو جینئس کی مثال مسلمانوں میں نہیں ملتی، جینئس یا عبقریت کی ایک دوسری قسم بھی ہوتی ہے جس کو ہم Accumulative Genius کہہ سکتے ہیں؛ یعنی معلومات اتنی کثرت سے اور اتنی وافر انداز سے فراہم کر دی جائیں کہ انسانی عقل اس کی کثرت پر دنگ رہ جائے، علم حدیث مسلمانوں کی Accumulative Genius کا بے مثال نمونہ ہے، انسانی تاریخ میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس میں معلومات کے انبار، معلومات کے پہاڑ اور معلومات کے سمندر اس طرح جمع کئے گئے ہوں، جس طرح علم حدیث میں جمع کئے گئے ہیں۔

یہ وہ چیز ہے جس کا اعتراف ایک بڑے غیر مسلم مستشرق ڈاکٹر سپرینگر (Springer) نے کیا ہے، آپ نے اس شخص کا نام سنا ہوگا، یہ ایک جرمن مستشرق تھا، ہمارے برصغیر میں بھی کافی عرصہ رہا، اس نے علم حدیث پر کام کیا تھا، اور جب اس نے فن

رجال کا مطالعہ کیا، (یعنی علم حدیث کے راویوں کا علم) تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ ایک شخصیت کے احوال اور اقوال کو یقینی بنانے اور محفوظ رکھنے کے لئے چھ لاکھ انسانوں کے حالات جمع کئے گئے، چھ لاکھ انسانوں کے حالات اس لئے جمع کئے گئے کہ وہ چھ لاکھ انسان بالواسطہ یا بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی کو محفوظ رکھنے کے عمل میں شریک تھے، اس کی مثال مسیحیت کی تاریخ میں، یہودیت کی تاریخ میں یا کسی بھی مذہب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ (محاضرات حدیث: پہلا خطبہ، ص:۲۸-۲۹، ط: اریب پبلیکیشنز)

حدیث مسلمانوں کی زندگی کا معیار اور مصلحین اُمّت کی تربیت گاہ:

حدیث نبوی ایک ایسی صحیح میزان ہے جس میں ہر دور کے مصلحین ومجددین اس امت کے اعمال وعقائد، رجحانات وخیالات کو تول سکتے ہیں اور امت کے طویل تاریخی وعالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات وانحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق واعمال میں کامل اعتدال وتوازن اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتا جب تک قرآن وحدیث بیک وقت سامنے نہ رکھے جائیں، اگر حدیث نبوی کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل ومتوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے اور وہ حکیمانہ نبوی تعلیمات نہ ہوتیں اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ امت افراط وتفریط کا شکار ہوکر رہ جاتی اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی، جس کی اقتدا کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) ترجمہ: "یعنی یقینا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے۔"

سنت نبوی اور حدیث نبوی کے مجموعے ہمیشہ اصلاح وتجدید اور امتِ اسلامیہ میں

صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انہی سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انہی احادیث سے انہوں نے استدلال کیا اور دین واصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی، بدعتوں،فتنوں اور شر وفساد سے جنگ ومقابلہ کے معاملہ میں وہی قوت محرکہ ودافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلام کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ (حدیث کا بنیادی کردار: ص/۳۷)

علم حدیث کی شرافت وفضیلت:

مولانا عبدالماجد رفیق صاحب لکھتے ہیں:

اس علم کی شرافت وفضیلت کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس میں اشتغال رکھنے والے کے لیے پیغمبر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود اپنی زبانِ مبارک سے ان عظیم الشان کلمات سے دعا دی ہے، جس کی قبولیت میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "نضّر الله امرأً سمع مقالتي فخفظها فأدّاها كما سمعها"

(مسند البزار: مسند جبیر بن مطعم، رقم الحدیث: ۳۴۱۶، طبع مکتبۃ العلوم والحکم)

یعنی اللہ تعالیٰ سرسبز وشاداب رکھے اُس بندے کو جو میری بات سنے، اسے یاد رکھے، پھر اُسے (اچھی طرح) ادا کرے۔ (یعنی دوسروں تک آگے پہنچائے) جیسا کہ اُس نے مجھ سے سُن رکھا ہے۔

پھر اس پر مستزاد یہ کہ علمِ حدیث میں اشتغال رکھنے والے کی زبان درود شریف

کے ورد سے "رطبُ اللسان" رہتی ہے، جو ایک مسلمان کے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔

محدثین کی قربانیوں کا نتیجہ:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر محدثین کرام نے اشتغال بالحدیث اور حفاظتِ حدیث کی خاطر اتنی قربانیاں کیوں دیں؟ فقر وفاقہ کی مشقتیں کیوں برداشت کیں؟ دور دراز کے اسفار کیوں کیے؟ روایتِ حدیث اور اس کی اشاعت کے لیے اتنی تگ ودو اور محنت کیوں کی؟ حفاظت حدیث کے سلسلے میں کڑی شرائط، فنی باریکیاں اور احتیاطی تدابیر کیوں اختیار کیں؟ محض حصول ثواب کی خاطر؟ نہیں! اس کے لیے تو اور راہیں بھی بہت ہیں، خوامخواہ خود کو تکلیف میں ڈالنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی، دراصل وہ لوگ سمجھتے تھے کہ اگر علم حدیث ہی مسلمانوں سے اٹھ گیا تو یہ امت جہالت وظلمت کی وادی میں بھٹک کر رہ جائے گی اور پھر کوئی مسیحا نہ مل سکے گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانیوں کی لاج رکھی اور امت مسلمہ میں علم حدیث کی عمومی فضا بنی اور اس امت کا سفینہ بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کرتا چلا آ رہا ہے، وضع حدیث اور فتنہ انکار حدیث کی تاریخ اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے ابلیسی طوفانوں پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو ہمیں محدثین کی کاوشوں، قربانیوں اور تکالیف کی قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے، تاریخ اسلامی میں جتنے بھی فتنے اٹھے، ان سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بغاوت کا عنصر مشترک ہے، یہی وجہ ہے کہ آج سے کچھ عرصہ قبل مستشرقین نے امتِ مسلمہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور علمِ حدیث کے راستے ایک سیلابی ریلا چھوڑا۔ آج کے ان تمام فتنوں سے نمٹنے کے لیے ایک چیز بے حد ضروری ہے کہ ہمیں بھی ان محدثین کے راستے پر چل کر تمام طبقاتِ اسلامیہ میں اشتغال بالحدیث کی ایک عمومی فضا پیدا کرنا ہوگی۔

عصرِ حاضر میں شیطان کے حواریوں کا کردار:

آج کے اس دور میں شیطان اور اس کے حواریوں نے فحاشی وعریانی اور عیاشی وبدمعاشی کی راہ دِکھلا کر امت مسلمہ کو دین سے دور کر دیا اور دوسری طرف مسلمانوں کے ہر مرض کا شافی علاج رکھنے والی دوا "علم حدیث" پر شکوک وشبہات کی بھر مار کر دی۔ یوں ہماری مثال اس مریض کی سی ہے جو اپنے مرض میں تڑپ رہا ہو، اس کے پاس علاج کی دوا تو موجود ہو، مگر اُس کے ہاتھ اِس تک پہنچنے سے قبل ہی کوئی اُسے اِس تریاق کے متعلق بے یقینی اور وساوس میں مبتلا کر دے، اب یہ مریض یا تو تڑپتا ہی رہے گا یا پھر وساوس کی پروا کیے بغیر دوا سے اپنا علاج کر لے گا۔

انکارِ حدیث کے نئے محرکات وعوامل:

مغربی نومسلم فاضل محمد اسد (Leopold Weiss) نے سنت سے دامن چھڑانے اور حدیث کا انکار کرنے کا حقیقی سبب (جس کے داعی اس دور میں پھر اُس کا بیڑا اٹھا رہے ہیں) نئی نسل کی نفسیات اور مغربی تہذیب کے غلبہ اور طاقت سے مکمل واقفیت کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ مغربی تہذیب کی قدروں اور پیمانوں، اس کے طرزِ زندگی اور فیشن اور سنت نبوی علی صاحبہا الف تحیۃ میں کبھی جوڑ نہیں ہوسکتا اور اس زندگی کو- جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت اور آپ کی ذات پر مکمل اعتماد اور سنت کے مراجع اور مآخذ پر پورے یقین اور اطمینان پر مبنی ہو- مغربی تہذیب کی تعظیم وتقدیس اور اس کو علم انسانی کی آخری دریافت سمجھنے کے تصور کے ساتھ جمع نہیں کیا جاسکتا، غالباً بعض اسلامی ممالک کے حکام اور سیاسی لیڈران کے سنت پر حملہ اور انکارِ حدیث کا یہی سبب ہے۔ محمد اسد لکھتے ہیں:

"آج جب کہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کا اثر ونفوذ بہت بڑھ چکا ہے، ہم

اُن لوگوں کے تعجب انگیز رویہ میں؛ جن کو" روشن خیال مسلمان" کہا جاتا ہے، ایک اور سبب پاتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا اور زندگی میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنا ناممکن ہے، پھر موجودہ مسلمان نسل اس کے لیے تیار ہے کہ ہر مغربی چیز کو عزت کی نگاہ سے دیکھے اور باہر سے آنے والے ہر تمدن کی اس لیے پرستش کرے کہ وہ باہر سے آیا ہے اور طاقت ور اور چمک دار ہے، مادی اعتبار سے یہ افرنگ پرستی ہی اس واقعہ کا سب سے بڑا سبب ہے کہ آج احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت کا پورا نظام رواج نہیں پا رہا ہے، سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام سیاسی افکار کی کھلی اور سخت تردید کرتی ہے، جن پر مغربی تمدن کی عمارت کھڑی ہے، اس لیے وہ لوگ جن کی نگاہوں کو مغربی تہذیب وتمدن خیرہ کر چکا ہے، وہ اس شکل سے اپنے کو اس طرح نکالتے ہیں کہ حدیث وسنت کا بالکلیہ یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع مسلمانوں پر ضروری نہیں، کیوں کہ اس کی بنیاد ان احادیث پر ہے، جو قابل اعتبار نہیں ہیں اور مختصر عدالتی فیصلہ کے بعد قرآن کریم کی تعلیمات کی تحریف کرنا اور مغربی تہذیب وتمدن کی روح سے انہیں ہم آہنگ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔" (حدیث کا بنیادی کردار: ص/ ۵۱)

فاضل مصنف محمد اسد نے اپنی کتاب میں جس کا عنوان ہے" اسلام دوراہے پر" اسلام دشمنی کے حقیقی اسباب اور اس سازش کی خطرناکی کی جو مسلم معاشرہ کو اس بے بدل قوت سے محروم، اور اس بے نظیر خزانہ سے خالی کر دینا چاہتی ہے، بڑی اچھی تشخیص کی ہے، وہ کہتے ہیں:

" سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ

جائے، جس طرح کاغذ کا گھروندا"۔

انکار حدیث کا اثر اور اتباع سنت کی ضرورت اور اس کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"لیکن یہ اعلیٰ مقام جو اسلام کو اس حیثیت سے حاصل ہے کہ وہ ایک اخلاقی، عملی، انفرادی، اور اجتماعی نظام ہے، اس طریقہ سے (یعنی حدیث اور اتباع سنت کی ضرورت کے انکار سے) ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائے گا۔"

عصرِ حاضر میں اشتغال بالحدیث کیسے؟

اشتغال بالحدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر حدیثِ رسول کا عام ماحول پیدا ہوجائے، ہمارے خطباء سے لے کر سامعین تک، مصنفین سے لے کر قارئین تک، علماء سے لے کر عوام تک اور حکم رانوں سے لے کر رعایا تک، معاشرے کے تمام افراد بحیثیت مسلمان حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تعلق پیدا کریں، یہی تعلق سنت کی راہ دِکھلائے گا اور ہمیں تمام تر دینی فتنوں سے محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ ہماری دنیاوی ترقی کا بھی یہی سبب ہے، جس طرح تبلیغی جماعت میں فضائلِ اعمال کی تعلیم ضروری ہوتی ہے، بالکل اسی طرح ہمارے تمام طبقات میں ان کے منصوبوں اور شعبوں کے مطابق مستند اور منتخب احادیث کی تعلیم وترویج اور افہام وتفہیم کا ماحول پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

اسی طرح اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جائے کہ لوگوں کے سامنے من گھڑت واقعات، بے سند قصے اور انتہائی ضعیف اور واہی احادیث کو بیان نہ کیا جائے، اس سے لوگوں کے عقائد اور اعمال کا ستیاناس ہوجاتا ہے اور لوگ اسلامی تعلیمات سے متعلق افراط وتفریط کا شکار ہوجاتے ہیں؛ نیز یہ چیزیں صحیح العقیدہ، صاف وشفاف اور معتدل مزاج اسلامی

معاشرے کی تشکیل میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں ہرسنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے نقل کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو جھوٹا کہا گیا ہے اور رہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کو منسوب کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے (خواہ وہ بات بظاہر اچھی اور بھلی ہی کیوں نہ ہو) نہ صرف حرام، بلکہ اشد الحرام ہے، اسی لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی "كفى بالمرء كذباً أن يحدّث بكلّ ما سمع"۔ (مقدمة صحيح مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، رقم الحديث:۷) (آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہرسنی سنائی بات کو بیان کرے) ارشاد فرما کر اور کبھی "من حدث عني حديثا وهو يُرى أنه كِذب فهو أحد الكاذبِين." (جامع الترمذی، باب ماجاء فی من روی حديثا وهو يرى أنه كذب، رقم الحديث:۲۶۶۲) (جس نے مجھ سے ایسی بات بیان کی کہ اُس کا خیال یہ ہے کہ وہ جھوٹی ہے، تو وہ دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے) اور "من كذب عليّ متعمّدا فليتبوأ مقعده من النار"۔ (صحيح البخارى، باب اثم من كذب على النبى، رقم الحديث: ۱۱۰) (جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اُسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) کی وعید سنا کر اخبار واحادیث میں تساہل برتنے پر سخت ڈرایا ہے۔

تخصص فی علوم الحدیث اُمید کی ایک کرن:

آج زمانہ آواز دے رہا ہے ان لوگوں کو جو آگے بڑھیں اور راہِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر چل کر دیوانہ وار اللہ کی رضا کی خاطر اس عظیم کام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور مسلسل محنت، لگن، شوق، اخلاص اور جذبہ قربانی کے اعوان وانصار کے ذریعے عصرِ حاضر کے جدید اور مفید وسائل کمپیوٹر وغیرہ سے اساتذہ اور ماہرین کی زیرِ نگرانی صحیح استفادہ کرتے ہوئے دین کے تمام شعبوں میں روح پھونک دیں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ، اُمید کی ایک کرن برصغیر میں دکھائی دے رہی ہے، تخصص فی علوم الحدیث کا ایک بہترین سلسلہ شروع ہو چکا ہے، کاش کہ اس سلسلے سے منسلک خوش قسمت افراد اپنی ذمہ داری کا احساس بھی بیدار رکھتے ہوں اور وہ بالکل وہی ذمہ داری کو نبھانے کا جذبہ لے کر اُٹھیں جو ذمہ داری حضراتِ سلف نے نبھائی ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تخصص فی علوم الحدیث کے شعبے سے وابستہ ہونے کے بعد جب باحث پر علمِ حدیث کی متعدد راہیں اور اس کے متنوع علوم فنون کھلتے ہیں اور ان میں سلف نے جو سینکڑوں کتابیں تصنیف کی ہیں، ان سے وہ متعارف اور ان کے مناہج پر مطلع ہوتا ہے تو اُس وقت اس کے دل میں (درس نظامی کی تعلیم سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود) علوم حدیث سے ناواقفیت اور ان سے اپنے تہی دامن ہونے کا احساس وشعور بیدار ہوتا ہے اور اس پر نصف نہار کی طرح یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ علم حدیث تو ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، جو اپنے اندر لا تعداد قیمتی موتیوں اور جواہر کو سموئے ہوئے ہے اور ایک ایسا بحرِ بے کنار ہے جس سے بیسیوں نہریں نکلتی ہیں، جو بے شمار اسلامی علوم وفنون کو رونق وشادابی بخشتی ہیں اور شریعت مطہرہ کی حسین وادی کو سیراب کرتی ہیں۔ اے کاش! یہ احساس وشعور ہمارے تمام دینی، علمی اور تحقیقی اداروں سے منسلک افراد میں پیدا ہو جائے اور علومِ حدیث کی افادیت اور سلف کے اس عظیم خزانے سے محرومی کا ہم سب کو ادراک ہو جائے۔ "وما ذلک علی اللہ بعزیز"۔

حفاظتِ حدیث کے سلسلے میں محدثین، فنی باریکیوں، علمی موشگافیوں اور عالی خدمات کا علامہ حالی مرحوم نے "مسدسِ حالی" میں کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

گروہ ایک جویا تھا علمِ نبی کا	لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا

نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا	کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح وتعدیل کے وضع قانوں	نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو	اسی شوق میں طے کیا بحروبر کو
سُنا خازنِ علم و دیں جس بشر کو	لیا اس سے جاکر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر	دیا اور کو خود مزا اس کا چکھ کر
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا	مناقب کو چھانا، مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا	ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسمِ ورع ہر مقدس کا توڑا	نہ مُلّا کو چھوڑا، نہ صوفی کو چھوڑا
رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر	گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احساں یہ اک اہلِ دیں پر	وہ تھے اس میں ہر قوم وملت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے	بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے؟

(عصر حاضر میں اشتغال بالحدیث کی ضرورت: مقالہ نگار، مولانا عبدالماجد رفیق صاحب: ص ر ۴-۹)

علم حدیث کی اہمیت ومرتبت:

روح دین قرآن ہے اور دل حدیث مصطفیٰ
غور سے پڑھ غور سے غافل حدیث مصطفیٰ
دوں اگر تشبیہ قرآن کو بہ رخسار جمیل
تو اسی رخسار کا تل ہے حدیث مصطفیٰ

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

حکمت الٰہیہ کی یہ عجیب کارفرمائی ہے کہ ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسی امت عطا ہوئی جس نے علم کی خدمت واشاعت ہی نہیں اور علوم کی تکمیل وتوسیع ہی نہیں ؛ بلکہ جدید علوم کی وضع وتدوین کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی مثال گذشتہ تاریخ اور سابقہ امتوں میں نہیں مل سکتی،اس نے تصنیف وتالیف کے میدان میں ساری گذشتہ اقوام اور ملتوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا عظیم اور وسیع کتب خانہ اس کی محنتوں اور کاوشوں سے وجود میں آیا،جس کا سرسری جائزہ لینا بھی آسان نہیں ، یوں تو تمام علوم علماء اسلام کی بلند ہمتی اور ذوق جستجو کے شاہد ہیں ؛لیکن بلاخوف وتردید کہا جاسکتا ہے کہ علماء اسلام نے اپنی سب سے بڑی ذہانت اور محنت جس علم پر صرف کی اور جس میں انہوں نے اپنی ذہنی کاوش اور علمی موشگافیوں کا سب سے بڑا ثبوت دیا، وہ فن حدیث ہے،کسی صاحب نظر کا مقولہ ہے کہ اسلامی علوم کی تین قسمیں ہیں،ایک قسم جو نیم پختہ رہی،ایک قسم جو پختگی کے کمال کو پہنچ گئی،اور ایک قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور گویا پختہ ہوکر بالکل کھڑی ہوگئی،اس تیسری قسم میں انہوں نے حدیث کو شمار کیا ہے، جو اپنے کمال وارتقاء کے آخری منازل تک پہنچ کر نشانہ کو پار کرگیا، نہ صرف فن روایت اور متن حدیث ؛ بلکہ متعلقات علم حدیث، اسماء رجال،فن جرح وتعدیل، اصول حدیث اور علل حدیث میں محدثین اور نقاد حدیث نے جو باریکیاں پیدا کی ہیں،جن موشگافیوں سے کام لیا ہے،جس ذہانت،نکتہ وری اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے،اس کا کچھ اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق بحثوں پر نظر ڈالنے ہی سے ہوسکتا ہے۔

اسلامی ماحول کی تشکیل میں حدیث کا بنیادی کردار:

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا

معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودہ سرسبز و بارآور ہوتا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، وہ جذبات، واقعات اور علمی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی؛ نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں رہا تھا، انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلاء کو ''پیروان مذاہب و پیروان طریقت'' کے واقعات وملفوظات سے پر کیا، مگر اس ''خانہ پوری'' نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعت ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی وروحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گذاری، حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتاً اس ماحول میں پہونچ جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصروف تکلم اور صحابۂ کرام گوش برآواز ہیں، جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں، اور عملی شکلوں کے ساتھ جذبات و کیفیات کے مناظر بھی نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے، یہ ایک دریچہ ہے جس سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت ومعیشت اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے، آپ کی سجود کی کیفیت آنکھوں سے، اورآپ کی دعا ومناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جاسکتا ہے۔

ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا، اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ، اور عمل کے جذبات ومحرکات، اور قلب ودماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔

حدیث نبوی زندگی، قوت اوراثر انگیزی سے بھرپور ہے اور ہمیشہ اصلاح وتجدید کے کام، فساد، خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آراء اور برسر جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے، اوراس کے اثر سے ہر دوراور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے اصلاح وتجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہوکر میدان میں آئے، بدعت، خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی، اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی؛ اس لئے حدیث نبوی امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگریز حقیقت اوراس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب وتدوین، حفظ اور نشرواشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی وذہنی، عملی واخلاقی دوام وتسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث وسنت کی کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی تو نت نئی بدعتوں، عجمی رسم ورواج، اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کردیا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اوراس کا مکمل عکس بن جائے گا، دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے؛ جبکہ برصغیر ہند کے علمی ودینی حلقوں

میں حدیث شریف کے صحیح مآخذ ومراجع سے تقریباً تعلق منقطع ہو گیا تھا، حجاز ویمن اور مصر وشام کے حدیث شریف کے مراکز سے کوئی رابطہ نہ تھا، اور کتب فقہ، اصول فقہ اور ان کی شروح وفقہی باریکیوں، موشگافیوں، اور حکمت وفلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، اس دور میں بآسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دوردورہ تھا، منکرات عام ہو گئے تھے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (تاریخ دعوت وعزیمت: ج:۴، ص: ۲۴۴) شیخ محمد غوث گوالیاری کی کتاب جواہر خمسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علماء عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہوچکی تھی اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد بن طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے، ہندوستان صحاح ستہ اور ان کے مصنفین کی کتابوں سے نا آشنا تھا، جنہوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانے کے مشہور ومقبول شطاری بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاری کی مقبول کتاب جواہر خمسہ میں دیکھا جاسکتا ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القمر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ دعوت وعزیمت: حصہ چہارم، باب: پنجم، ص: ۲۳۹ - ۲۵۳)

جب تک حدیث شریف کا یہ ذخیرہ باقی اور اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج ومذاق جس میں آخرت

کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے، باقی رہے گا، تو کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا؛ بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہے گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی اور آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی برابر قیامت تک حق وثابت رہے گی، لا تزال طائفة من امتی قوامة علی امر اللہ لا یضرھا من خالفھا.

میری امت میں ایک جماعت برابر دین وشریعت کی نگرانی کرتی رہے گی، مخالفت کرنے والا اس کو کوئی تکلیف وگزند نہیں پہونچا سکے گا۔

علمائے گجرات کی حدیثی خدمات:

آپ ﷺ کی ان احادیث نے ہی علماء گجرات کو حدیث شریف کے علوم کی طرف شوق ورغبت کے ساتھ وہ والہانہ وعاشقانہ انداز عنایت فرمایا کہ حدیث شریف کی طلب میں حرمین محترمین اور مصر وشام کی خاک چھاننا ان کے لئے زندگی کا اہم مشغلہ ہو گیا، اس مناسبت سے گجرات کی علمی تاریخ کے سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

مسلمانوں نے آغاز اسلام سے ہی قرآن پاک کے بعد اس علم کو اپنے سینہ سے لگایا اور اپنی پوری محنت وقابلیت اور اخلاص وعقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی روایات واسناد اور اسمائے رجال کی چھان بین میں اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی۔

اس خدمت جلیلہ کے سلسلہ میں محدثین گجرات نے بھی بہت شاندار کارنامے

انجام دیئے ہیں، اورمحدثین گجرات نے ایسے حالات میں حدیث شریف کی ترویج وتدریس کی جبکہ ہندوستان کے بیشتر خطوں کے علمائے کرام منطق وفلسفہ کی موشگافیوں میں الجھے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ کے عہد سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر اسلامی لشکر کی حملہ آوری شروع ہوچکی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہر کلمہ گو کے لب ودہن اخبرنا و حدثنا کی خوشبو سے معطر تھا، اسلام کا یہ پہلا داعیانہ اورمجاہدانہ قافلہ تھانہ پرحملہ آور ہوا، پھر بھروچ شہراس کی دوسری منزل تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان فوجیوں میں دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہستیوں کی بھی کچھ تعداد ہوگی، اس کے بعد یکے بعد دیگرے حملے ہوئے، انہیں حملوں میں محدث کبیر حضرت ربیع بن صبیح ؒ بھی گجرات تشریف لائے، اوراسی سرزمین میں نربدا کے کنارے پیوندخاک ہوئے، جب اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں سندھ فتح ہوا، تو یہاں حدیث کا چرچا ہونے لگا اورحدیث شریف سے لوگوں کا شغل بڑھ گیا، پھر سندھ سے عربوں کی حکومت ختم ہوگئی اوران کی جگہ غزنوی اورغوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے، خراسان اور ماوراء النہر سے علماء آنے لگے، تو حدیث کا علم کم ہوتا گیا، لوگوں میں شعروشاعری، نجوم و ریاضی اور منطق وفلسفہ کا رواج زیادہ ہوگیا، فقہ اوراصول فقہ کی ضرورت صرف اس لئے پیش آتی تھی کہ عہدۂ قضاء کے ممتاز منصب کو حاصل کیا جاوے، اوروہ بھی صرف تقلیدی طور پر تھا، اجتہادوتحقیق کے طورپر نہیں تھا، اورہرطرف فقہی جمود چھایا ہوا تھا۔

حدیث شریف میں امام صغانی کی مشارق الانوار اورزیادہ سے زیادہ امام بغوی کی مصابیح السنہ یا مشکوۃ پڑھائی جاتی تھی، اور ایسے شخص کو امام المحدثین سمجھا جاتا تھا، علم حدیث کے ساتھ لوگوں کی بے اعتنائی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ سلطان

غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کیلئے مناظرہ کی مجلس منعقد ہوتی ہے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ بھی شریک مناظرہ تھے، آپ جب کوئی حدیث پیش کرتے تو دوسرے علماء بڑے استعجاب سے آپ کی طرف دیکھتے اور کہتے: ''ترا بہ حدیث چہ کار تو مرد مقلدی، روایت از ابوحنیفہ بیار، تا معرض قبول افتد'' حضرت نظام الدین اولیاء اس فقہی جمود پر کف افسوس ملتے رہ گئے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں ایران میں صفویوں نے شیعیت کو اپنا سرکاری مذہب قرار دیا، تو ایران کے بڑے بڑے سنی علماء ومحدثین نے گجرات کی راہ لی، سب سے پہلے بزرگ جو حدیث شریف کے علوم کو سینہ سے لگا کر احمد شاہ اول کے زمانہ میں گجرات آئے وہ مولانا نورالدین احمد شیرازی ہیں، آپ کی بخاری شریف کی سند اتنی عالی تھی کہ جب وہ حجاز ویمن میں پہنچی تو بڑے بڑے محدثین نے اس کو شوق وذوق اور فخر سے حاصل کیا، الغرض ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گجرات نے سب سے پہلے اپنا طبعی حق پایا، اور بحر عرب کے اس پار کی شعائیں سب سے پہلے یہیں آکر پڑیں، پھر یہاں سے آگرہ، جونپور، برہانپور اور مالوہ کے مناروں پر جاکر عکس انداز ہوئیں، گجرات میں بڑے پیمانے پر علم وادب کے چرچے شروع ہوگئے، تہذیب وتمدن کی جلوہ آرائیوں نے آنکھوں کو خیرہ کردیا، سولھویں اور سترہویں صدی میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دینی اور ثقافتی زندگی کا مرکز ثقل گجرات کی طرف منتقل ہوگیا ہے، اور شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحر عالم یہاں موجود نہ ہوں۔

فخر ہند، محدث کبیر حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ابھی عالم وجود میں نہیں آئے تھے کہ گجرات علم حدیث کا مرکز بن چکا تھا؛ بلکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے

گجرات کے دو عالم شیخ عبدالوہاب اور شیخ عبداللہ بھروچی سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

علامہ سخاویؒ (جو محدث جلیل حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد ہیں)، حافظ ابن حجر مکی اور شیخ الاسلام زکریاؒ کے تلامذہ کافی تعداد میں یہاں بس گئے تھے، اور تشنگان حدیث ان سے سیراب ہوتے تھے، بقول مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث شریف کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا۔

صحیح بخاری شریف کی دو شرحیں جو غالبا ہندوستان میں بخاری شریف کی سب سے قدیم شرحیں ہیں، یعنی علامہ بدرالدین کی مصابیح الجامع جو آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے نام معنون کی، اور دوسری شرح سید عبدالاول حسینیؒ کی فیض الباری اسی سرزمین پر لکھی گئی ہیں۔ ۸۵۱ھ کا گجراتی عالم کا لکھا ہوا بخاری شریف کا نسخہ بھی پٹن میں موجود تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث (بخاری) کا درس نویں صدی میں بھی جاری تھا، فتح الباری شرح بخاری کا نسخہ ابوالقاسم مکی دسویں صدی کو گجرات میں لیکر داخل ہوتے ہیں، امیرالغ خاں کی موجودگی میں بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے، اور امیر کی طرف سے اختتام جلسہ پر پُرتکلف دعوت کا اہتمام ہوتا ہے، اسی صدی کا بخاری شریف کے ختم کا دوسرا واقعہ بھی ذکر کیا جاتا ہے، شیخ عبدالمعطی کی ایک کتاب حدیث کے اسماء رجال پر اسی صدی میں لکھی گئی تھی، صحیح مسلم شریف کا سب سے قدیم نسخہ سلطان محمود کے کتب خانہ میں تھا جس پر عبدالرحیم خاں کی مہر لگی ہوئی ہے۔ ۹۹۲ھ میں احمد آباد کے کتب خانہ میں آنے کی تاریخ درج ہے۔

حافظ سخاویؒ کے تلامذہ میں سب سے پہلے غالباً مولانا راجح بن داود گجراتی ہیں، ۸۹۴ھ میں وہ حافظ موصوف کے حلقہ میں داخل ہوئے، اور الفیۃ الحدیث کی سند حاصل

کی، علامہ سخاویؒ الضوء اللامع میں ان کی فہم اور عقلمندی کی تعریف کرتے ہوئے حدیث شریف کی اجازت دینے پر خود خوشی محسوس کرتے ہیں، اس کے بعد وہ گجرات وارد ہوئے، لوگوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ۹۰۴ھ میں احمد آباد میں وفات پائی، اس کے بعد مولانا وجیہ الدین مالکیؒ آئے، ان کی بڑی قدر ہوئی، سلطان گجرات نے ان کو ملک المحدثین کا لقب دیا، وہ یہیں کے ہو رہے، ۹۲۹ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے ہم عصر مولانا علاء الدین احمد نہروالی ہیں، عرب جا کر حافظ بن فہد اور نور الدین شیرازی سے حدیث کی سند حاصل کی، آخر عمر مکہ معظّمہ میں گذاری، حرمین شریفین کے علماء نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ آپ سے حدیث شریف کی اجازت حاصل کی اور وہیں اپنا سلسلہ درس جاری رکھا، ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے قریب العہد حافظ سخاوی کے دوسرے شاگرد جمال الدین محمد بن عمر حضرمیؒ مظفر شاہ حلیم سلطان گجرات کے زمانہ میں آئے، سلطان نے خود زانوئے ادب ان کے سامنے طے کرتے ہوئے ان کو اپنا استاذ بنایا، احمد آباد (گجرات) میں ۹۳۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالمعطی بن الحسن باکثیر المکی کو شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے حدیث کی سند حاصل تھی، ۹۵۳ھ میں وفات پائی۔

شہاب الدین احمد العباسی المصری شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد تھے، اور صاحب تصنیفات تھے، شاہان گجرات کے نام پر کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، ۹۹۲ھ میں وفات پائی، سید عبداللہ شیرازی چانپانیر میں حدیث کا درس دیتے تھے، علم حدیث واصول حدیث میں رسالہ لکھا جو مشکل اور جمیع اقسام حدیث کو شامل ہے، ۹۸۲ھ میں وفات

پائی۔

شیخ محمد بن عبداللہ الفا کہی جو علامہ ابن حجر مکی کے شاگرد تھے، ۹۹۲ھ میں وفات پائی، سید شیخ بن عبداللہ العیدروس علامہ ابن حجر مکی اور حافظ عبد الرحمن بن ربیع الشیبانی کے شاگرد تھے، ۹۹۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد بن فضل اللہ احمد آباد میں پیدا ہوئے، شاہ وجیہ الدین کے شاگرد ہیں، حدیث وتفسیر کے درس میں زندگی بھر مشغول رہے، ۹۷۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ سعید شافعی حبشی شاگرد ابن حجر مکی متوفی ۹۹۱ھ، جمال الدین محمد بن عبد الرحیم عمودی متوفی ۹۸۴ھ، جمال الدین محمد علی بن الحشیر ی متوفی ۱۰۰۰، مجد الدین محمد بن محمد الایجی، یہ چند اسماء گرامی ان محدثین کے ہیں جنہوں نے گجرات میں رہ کر اپنی عمر عزیز اس فن شریف کی خدمت میں بسر کر دی۔

کچھ مدت کے لئے گجرات میں اقامت اختیار کرنے والے محدثین:

کچھ ایسے بھی ہیں جو تشریف لائے اور برسوں رہے، لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا پھر واپس تشریف لے گئے، انہیں بزرگوں میں حدیث شریف کی مشہور کتاب کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کے مصنف حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو گجرات میں بود وباش اختیار کرنے کے بعد ہجرت کر گئے تھے،، دوتین بار گجرات تشریف لا کر احمد آباد میں رہے، اور اپنے انفاس متبرکہ سے لوگوں کو عرصہ تک مستفید ہونے کا موقع دیا، سلطان محمد نے آپ کے قدموں میں اپنی سلطنت لا کر رکھ دی، آپ کی اور آپ کے مدرسہ وطلبہ کے وظائف بھی جاری کئے، ۹۷۵ھ میں شیخ علی متقی نے ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ان ہی بزرگوں میں سید عبدالاول حسینی شارح صحیح بخاری کی ذات گرامی ہے، جو آخر عمر میں بیرم خاں کے اصرار سے دہلی چلے گئے تھے اور وہیں رحلت فرمائی، یہ برسوں گجرات میں رہے، شیخ طیب سندی نے قیام گجرات کے زمانے میں ان سے حدیث پڑھی تھی، جو تقریبا پچاس برس تک ایلچ پور برہان پور میں اس فن شریف کی خدمت کرتے رہے۔

شیخ عبداللہ بن سعد الدین متقی اور شیخ رحمۃ اللہ بن عبداللہ سندی دونوں کا شمار محدثین کبار میں تھا، آپ کی سند حدیث بہت عالی تھی، اور دونوں مہاجر تھے، کشش آب ودانہ سے گجرات تشریف لائے، اور برسوں احمدآباد میں رہ کر حدیث کی خدمت کرتے رہے، اسی زمانہ میں شیخ بہلول دہلوی نے گجرات پہنچ کران دونوں بزرگوں سے حدیث پڑھی تھی، اور دہلی واپس جا کر مدۃ العمر اسی فن شریف کی خدمت کرتے رہے، مولانا عبدالملک عباسی کا شماران محدثین کرام میں ہے جنہوں نے ساری عمر اسی فن شریف کی خدمت میں صرف کی، انہوں نے اپنے بھائی مولانا قطب الدین سے حدیث پڑھی تھی اور انہوں نے علامہ سخاویؒ سے استفادہ کیا تھا، ۹۷۰ھ میں وفات پائی، صحیح بخاری ان کو لفظا ومعنا یاد تھی، ایک مؤرخ ان کی نسبت لکھتا ہے "كان حافظا للقرآن وصحيح البخاري لفظا ومعنا وكان يدرس عن ظهر قلبه ولم يكن مثله فى زمانه فى التوكل والتجريد"۔ یعنی وہ قرآن شریف اور صحیح بخاری کے لفظا ومعنا حافظ تھے، اور اپنی یادداشت سے درس دیتے تھے، ان کے زمانہ میں توکل وتجرید میں ان کی کوئی نظیر نہ تھا۔

حدیث شریف کے درس وتدریس اور کتابوں کی تصنیفات میں خاص اہمیت کے مالک علامہ مجدالدین محمد بن طاہر پٹنی ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل وکمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے، اوران کی تصنیفات سے علماء حجاز ویمن اسی طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں

جیسے کہ ہندوستان کے علماء، انہوں نے ملامہنہ، شیخ ناگوری، مولانا یداللہ اور مولانا برہان الدین سے علم حاصل کرنے کے بعد مکہ معظّمہ جاکر شیخ ابوالحسن بکری، علامہ ابن حجر مکی، شیخ علی بن العراق، شیخ جاراللہ بن فہد، ودیگر محدثین کرام سے حدیث پڑھی، اور عرصہ تک شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، وہاں سے آنے کے بعد بجز تصنیف وتدریس کے اور کوئی شغل اختیار نہیں کیا، اور جو دولت ان کو اپنے پدر بزرگوار سے ملی تھی اس کو بے دریغ وظائف طلبہ پر صرف کرڈالا، حضرت شیخ عبدالقادر حضرمی "النور السافر" میں لکھتے ہیں: حتی لم یعلم ان احدا من علماء غجرات بلغ مبلغه فی فن الحدیث کذا قاله بعض مشائخنا۔" ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ علماء گجرات میں سے فن حدیث کے اندر کوئی ان کے برابر کا ہو۔

ان کی سب سے مشہور تصنیف لغت حدیث میں "مجمع بحار الانوار" ہے جس کو یہ کہنا چاہئے کہ وہ صحاح ستہ کی شرح ہے، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم "اتحاف النبلاء" میں اس کی نسبت لکھتے ہیں: "کتاب متفق علی قبوله بین اهل العلم منذ ظهر فی الوجود، له منة عظیمة بذلک العمل علی اهل العلم" جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اسی وقت سے اہل علم میں یہ مقبول ہے، اور سب کو اس پر اتفاق ہے، شیخ محمد بن طاہر نے اس کو تصنیف کرکے علماء پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

علاوہ اس کتاب کے ان کی تصنیفات میں سے "المغنی فی اسماء الرجال" اور "تذکرة الموضوعات وقانون الموضوعات" بے مثل کتابیں ہیں جو ملا علی قاری اور علامہ شوکانیؒ کی الموضوعات سے بھی بڑی اور ضخیم ہے، ایک رسالہ مشکوۃ شریف کی لغات پر بھی لکھا ہے، ۹۸۶ھ میں ان کو مرتبۂ شہادت حاصل ہوا۔

مفتی قطب الدین محمد نہروالی گجرات کے ان علماء کرام میں تھے جن پر ہم سب کو فخر ہے، یہ بہت بڑے محدث اور ادیب تھے، اپنے والد مولانا علاء الدین احمد سے علم حاصل کر کے مکہ معظّمہ گئے اور شیخ احمد بن محمد العقیلی النویری ومحدث یمن عبدالرحمن بن علی ربیع سے حدیث پڑھی ،نورالدین ابوالفتوح شیرازی سے ان کو بھی صحیح بخاری کی سند حاصل تھی، جو قلت وسائط کی وجہ سے حجاز ویمن میں بہت مقبول ہوئی،ان کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا،اور باوجود ہندی ہونے کے شرفاء مکہ کے میر منشی قرار دیئے گئے،مزید قابل فخر بات یہ کہ ان کے حرم شرف میں قیام کے دوران محدث کبیر شارح حدیث ملاعلی قاریؒ نے آپ سے حدیث کے علم میں زانوئے تلمذ طے کیا۔

حضرت شاہ وجیہ الدین علویؒ کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں جنہوں نے ٦٧ سال تک احمد آباد میں معقولات ومنقولات کا درس دیا، درس نظامی کی ٢٢ کتابوں پر حواشی لکھے، اصول حدیث کی مشہور کتاب شرح نخبة الفكر پر بھی آپ کا حاشیہ ہے،جس کا قلمی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں موجود تھا،آپ کے ایک شاگرد حکیم عثمان صدیقیؒ نے بخاری شریف کی شرح بھی لکھی ہے۔

مولانا نورالدین احمد آبادی؛ کثرت تصنیفات میں شاہ وجیہ الدین کے بعد آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں گذرا، بخاری شریف کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام نور القاری شرح صحيح البخاری ہے۔

مولانا خیرالدین سورتی جو شیخ محمد حیات سندھی کے شاگرد ہیں، ٥٠ سال تک سورت میں آپ نے حدیث شریف کا درس دیا ہے۔

شیخ تاج الدین پٹنی صحاح ستہ کے حافظ تھے، شیخ عبدالکریم گجراتی جو ابن حجر مکی

کے شاگرد ہیں "النهر الجاری علی البخاری" کے نام سے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے، شیخ جعفر بخاری گجراتی کی "الفیض الطاری شرح البخاری"، شیخ شطاری گجراتی کی "ذریعة النجاة شرح مشکوة" اور "شرح نخبة الفکر"، شیخ سعید جعفر گجراتی کی "زینة النکات شرح مشکوة" عبدالقادر حضرمی کا فتح الباری شرح بخاری پر حاشیہ، شیخ ابوبکر بھروچی کا شفاء قاضی عیاض کا فارسی ترجمہ، مولانا ولی اللہ سورتی کی "التنبیهات النبویة فی سلوک الطریقة المصطفویة" اور مشکوۃ شریف ،شفاء قاضی عیاض اور المواهب اللدنیہ کی تلخیص، مولانا ہاشم سورتی کے تراجم بخاری پر عربی میں سات اجزاء، مولانا فاضل سورتی کی معین الفضائل شرح شمائل وغیرہ کتب حدیث وشروحات؛ بخاری وغیرہ علم حدیث کے ساتھ ان کے خصوصی تعلق اور شغف کی دلیل ہے۔

وہ محدثین گجرات جن کا فیض بیرون گجرات پہنچا:

اسی کے ساتھ کچھ وہ محدثین گجرات بھی ہیں جن کا فیض حرمین شریفین اور گجرات کو چھوڑ کر ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں بھی پہنچا، وہاں انہوں نے حدیث کی مسند بچھائی اور اس علاقہ کو قال الرسول ﷺ کی صداؤں سے گونجتا کر دیا، ان میں سید مولانا یسین گجراتی ہیں جنھوں نے حرمین شریفین جا کر علم حدیث کا فیض حاصل کیا، پھر پنجاب اور بنگال ہوتے ہوئے صوبۂ بہار پہنچے اور وہاں حدیث شریف کا فیض جاری کیا، بقول علامہ سید سلیمان ندوی ؒ "یہ پہلا موقع ہے کہ بہار کی مسجدوں سے قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کا ترانہ سمع نواز ہوا" آپ کی دی ہوئی سند حدیث کا قلمی نسخہ پھلواری شریف میں محفوظ ہے۔

شاہان گجرات کی علم دوستی:

ان محدثین عظام کے ساتھ شاہان گجرات کو بھی فراموش نہیں کر سکتے جن کی مردم

شناسی اور قدر دانی نے ان کے دربار کو ہر علم وفن کے ارباب کمال سے مزین کیا ہوا تھا، بقول مولانا سید عبدالحیؒ: ''شاہان گجرات نے اپنی ڈیڑھ سو سالہ دورِ حکومت میں جس قدر علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے دہلی کی چھ سو سالہ تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی'' یہ صرف ان کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز ویمن اور دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ علماء نے گجرات آکر اپنے فیوض علمی کی آبیاری سے گجرات ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی درسگاہوں کو سیراب کیا، انہیں حکمرانوں میں مظفر شاہ حلیم تھے، جنہوں نے خود بھی حدیث شریف کا درس علامہ جمال الدین الحضرمی اور محمد بن محمد الایجی سے حاصل کیا، مدۃ العمر حدیث پر عامل رہے۔

سلطان محمود شاہ دوم نے اپنے زمانے میں مکہ مکرمہ میں باب العمرۃ کے پاس عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جس میں علامہ ابن حجر مکیؒ اور شیخ عزالدین زمزمی جیسے محدثین عظام درس دیتے تھے، وزیر خداوند خاں شاہی وزیر ہونے کے باوجود حدیث اور اسمائے رجال میں ایسی مہارت رکھتے تھے کہ بڑے بڑے علماء ان سے علم حدیث حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، مغل بادشاہوں میں ہمایوں نے آپ سے حدیث کی سند حاصل کی، اسی طرح وزیر آصف خاں باوجود وزارت کے منصب جلیلہ کے وفات تک درس میں مشغول رہے، بادشاہوں کی قدردانی اور وزراء کے کمال نے ہر طرف علم کا چرچا پھیلا دیا تھا، مدارس ومکاتیب کا جال بچھا ہوا تھا، بڑے بڑے ۳۳ مدارس اور ۳۴ کتب خانوں کا ذکر کتابوں میں آتا ہے، جس میں وزیر آصف خاں کے کتب خانے میں مشکوۃ شریف کا نسخہ مشکوۃ کے مصنف ولی الدین خطیب تبریزی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، اس نسخہ کو وزیر آصف خاں نے سونے سے وزن کر کے خریدا تھا، اسی طرح مولانا عماد الدین کا کتب خانہ جس میں پانچویں صدی کی احادیث کی کتابیں بھی موجود تھیں۔

تابناک ماضی سے شاندار حال کا ربط اور مستقبل کی بنیاد:

گجرات کے تابناک ماضی کے ساتھ الحمدللہ اس کا حال بھی شاندار ہے، اس وقت سینکڑوں دینی مکاتیب، دسیوں بڑے بڑے دارالعلوم اوران کے ساتھ عالی شان کتب خانے قائم ہیں، ان دارالعلوموں میں تمام علوم وفنون کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کی تعلیم بھی خصوصیت کے ساتھ دی جاتی ہے اور کتب خانوں میں تمام علوم وفنون کی کتابوں کے ساتھ الحمدللہ احادیث کی کتابیں بڑے مصارف خرچ کر کے شاندار طباعت کے ساتھ عرب ممالک سے خریدی جاتی ہیں، اسی طرح اسلاف کی حدیث شریف کی خدمت کی جھلک اور یاد تازہ کراتی ہے، **فالحمد للہ علی ذلک اولا و آخرا**۔ حق تعالی شانہ سے دعا ہے کہ وہ حدیثی علوم کے لئے گجرات کو اپنی سابقہ روایات کے ساتھ باقی رکھے، آمین۔

تخصص فی الحدیث ضرورت واہمیت:

تاریخ اسلام کے قرون اولی میں علمائے حق نے دین کے بنیادی مآخذ کی حفاظت وصیانت کی خاطر جن نئے علوم وفنون کی داغ بیل ڈالی ہے، ان کا ایک معتدبہ حصہ مختلف جہات اور متنوع عنوانات سے معنون ہوکر ''علوم حدیث'' کی صورت میں زندہ وتابندہ ہے، عنوان کی سادگی کی بنا پر ظاہر بینوں کو پہاڑ، رائی کی مانند دکھنے لگتا ہے، لیکن حقیقت سے آشنا طبائع اس بحر بیکراں میں غوطہ زن ہوکر انگشت بدنداں رہ جاتی ہیں، علم کا جوشیدائی بھی اس سفر پر روانہ ہوا تو متاع حیات تسلیم کر کے بھی تشنہ لبی پر شکوہ کناں نظر آیا، ان علوم کی وسعت کے اجمالی تعارف کے لیے چھٹی صدی ہجری کے معروف محدث وفقیہ، امام ابوبکر زین الدین حازمی رحمہ اللہ (۵۴۸ھ۔ ۵۸۴ھ) کے اس فرمان پر نگاہ ڈالیے:

”علم الحديث يشتمل على أنواع كثيرة، تقرب من مائة نوع، ذكر منها طائفة ابوعبدالله الحافظ رحمة الله عليه في ”معرفة علوم الحديث“، وكل نوع منها علم مستقل لو أنفق الطالب فيه عمره لما أدرك نهايته، لكن المبتدى يحتاج أن يستطرف من كل نوع؛لأنها أصول الحديث، ومتى جهل الطالب الأصول تعذر عليه طريق الوصول“. (عجالة المبتدي وفضالة المنتهي في النسب، ص:٣، المطبعة الأميرية بالقاهرة)

یعنی ”علم حدیث کی سو کے لگ بھگ انواع ہیں، حافظ ابوعبداللہ (حاکم) رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”معرفۃ علوم الحدیث“ میں ان انواع میں سے معتدبہ تعداد ذکر کی ہے، اور ہر نوع مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے، (بعض انواع ایسی ہیں کہ) اگر طالب علم پوری حیات مستعار انہیں میں صرف کرڈالے تب بھی انتہا کو نہ پاسکے گا، لیکن مبتدی کو چاہیے کہ ہر نوع سے معتدبہ استفادہ کرے؛ اس لیے کہ یہ حدیثی اصول ہیں، اور طالب علم اصول سے ہی نابلد ہو تو مقصود تک پہنچنا دشوار ہوجاتا ہے“۔ (مقالہ: علوم حدیث ایک بحر بیکراں: ص:۱)

امام ابن صلاح رحمہ اللہ نے ”مقدمہ“ میں پینسٹھ (۶۵) انواع ذکر کی ہیں، جبکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے دیگر کتب سے جمع کرکے اپنے اضافات کے ساتھ ”تدریب الراوي“ میں چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں۔

علوم کی اقسام بہت زیادہ ہے اور ہر علم وفن میں تخصصات ہے، مثلاً فن طب وعلاج ہی دیکھ لیا جائے، جنرل ڈاکٹری کے علاوہ جسم کے ہر عضو میں تخصص کا رواج ہے، اور اس عضو کے بارے میں اسی ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں جسے اس عضو کے امراض وعلاج میں اختصاص حاصل ہے۔

انجینرنگ میں بھی مختلف قسم کے ڈپلوما ہے، سِوِل انجینرنگ، الیکٹرانک انجینرنگ،

میکانیکل انجینیر نگ ،یہی صورت حال عصری علوم کے اساتذہ کی ہے، بعض اساتذہ بعض مضامین میں متخصص ہوتے ہیں، گویا آج ہرفن اور ہر علم میں اختصاص ہے، چاہے اس فن کا تعلق عصری علوم ہی سے کیوں نہ ہو۔

امت اسلامیہ کو بھی عصری اور مباح علوم وفنون کی ضرورت ہے،ٹھیک اسی طرح دینی علوم وفنون میں بھی تخصصات کی ضرورت ہے،اور جو علم وفن جتنی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اسی قدر اس میں مہارت پیدا کرنا ضروری ہوجاتا ہے، بلکہ امت اسلامیہ کو ضرورت ہے کہ کچھ افراد ایسے ہوں جو عقلی ونقلی علوم وفنون میں امت کی قیادت کرسکیں ،جبکہ اسلام دین علم بھی ہے اور وحی کی ابتداء بھی ''اقرأ'' سے ہوئی ہے، بہرحال ،جن طلبہ میں کسی فن سے خاص مناسبت ہوتو اس فن میں اس کی اس طرح رہنمائی ہو کہ وہ اس فن کی باریکیوں کے سمجھنے کا اہل ہو، اس فن کے دقیق مسائل سے واقف ہو، اس کا تعلق صرف دینی علوم ہی سے نہیں ؛ بلکہ امور دنیا اور عصری علوم سے بھی ہے۔

چنانچہ تابیر نخل کا واقعہ مشہور ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: انتم اعلم بأمر دنیاکم۔ (صحیح مسلم: کتاب الفضائل ، باب وجوب امتثال ما قاله شرعا۔، رقم الحدیث: ۱۴۱/ ۲۳۶۳، ص: ۵۹۷، ط: بنت الافکار الدولیه) گویا دنیوی امر میں ان کی مہارت وقابلیت اور تجربہ کا خیال فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اور ان کا یہ معاملہ ان کے حوالہ فرمایا، بلکہ جس کو اپنے فن میں مہارت نہ ہو، اس کے باوجود وہ اس فن سے متعلق کام کرے تو فقہاء نے روک لگانے کا حکم دیا، چنانچہ جاہل طبیب کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے:

فلأن المحجور علیه غیر منحصر فی الصغیر والرقیق والمجنون؛ بل المفتی الماجن، والمتطبب الجاهل والمکاری المفلس محجور علیهم عند أبي یوسف

ومحمد رحمهما الله۔ (نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار: کتاب الحجر، ص: ۲۵۹، ج: ۹، ط: زکریا بکڈپو دیوبند)

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

یتحمل الضرر الخاص لأجل دفع الضرر العام۔۔۔ ومنها جواز الحجر علی البالغ العاقل الحر عند ابی حنیفة فی ثلاث: المفتی الماجن والطبیب الجاهل والمکاری المفلس دفعا للضرر العام۔ (الاشباه والنظائر: القاعدة الخامسة الضرر یزال، رقم المسئلہ: ۵۸۴، ص: ۳۱۳، ط: مکتبہ فقیہ الامت دیوبند)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فن میں اختصاص ومہارت کی کتنی ضرورت ہے، تاکہ لوگ اس فن سے کھلواڑ نہ کرنے لگیں، اسے کھیل نہ بنادیں، بلکہ اسے محاسبہ کا خوف رہے، اور باصلاحیت واختصاص افراد ہوں گے تو عوام کو بھی اس سے فائدہ ہوگا، اسی لئے آپ ﷺ نے بعض صحابۂ کرام کے اختصاصی وصف کو ظاہر فرمایا، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: حلال وحرام کو خوب جاننے والے، حضرت اُبَی کے بارے میں فرمایا: کتاب اللہ کو خوب پڑھنے والے، اسی طرح دیگر صحابۂ کرام کے بارے میں فرمایا:

عن انس بن مالک، ان رسول الله ﷺ قال: ارحم امتی بأمتی ابوبکر، واشد هم فی دین الله عمر، واصدقهم حیاءً عثمان، واقضاهم علی بن ابی طالب، واقرؤهم لکتاب الله أبیّ بن کعب، واعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وافرضهم زید بن ثابت، الاوان لکل امة امینا، وامین هذه الامة ابوعبیدة بن الجراح. (سنن ابن ماجه: باب فضائل اصحاب رسول الله، رقم الحدیث: ۱۵۴، ص: ۶۵، ج: ۱، دار الفکر بیروت، لبنان)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ''میری امت کے سب سے رحم دل انسان ابوبکر، حکم خداوندی کے معاملے سب سے سخت عمر، سب سے باحیا عثمان بن عفان، قضا وفیصلہ کی زیادہ صلاحیت حضرت علی میں ہے، سب سے بڑے قاری اُبی بن کعب ہیں، سب سے زیادہ حلال وحرام کے مسائل جاننے والے معاذ بن جبل، علم فرائض کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں، اور ہر امت کا ایک امین ہوا کرتا ہے، میری امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین''۔

گویا کسی فرد یا جماعت کا کسی معین فن یا معین علم میں اختصاص ومہارت معاشرہ کی ضرورتوں میں شامل ہے؛ تاکہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں، قدرت ووسعت اور فنی مہارت واختصاص کی وجہ سے معاشرہ کو بہترین خدمات فراہم کرسکیں، اور اگر یہ صورت حال نہیں ہے تو وہ معاشرہ کے ساتھ کھلواڑ کرے گا، جیسے کسی ڈاکٹر کو اختصاص ومہارت نہیں ہے تو وہ نقصان ہی کرے گا، اسی لئے فقہاء نے اس پر روک لگانے کا حکم دیا۔

دوسری طرف قرآن مجید میں کسی بھی چیز کے بارے میں ان لوگوں کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جو تحقیق کرنے والے ہیں، اور کسی خبر کی تہہ تک پہنچتے ہیں، ''اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کردیتے ہیں، اور اگر اس کو پہنچادیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو تحقیق کرنے والے ہیں''۔ (نساء: ۸۳)

اس کا شان نزول یا خاص کسی واقعہ سے ہٹ کر کسی بھی خبر یا بات چیت میں تحقیق کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اس آیت کے ذیل میں مفسرین نے استنباط کے حجت ہونے کی بحث کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی خبر یا کسی بھی چیز کے بارے میں

اس کا علم رکھنے والے اور تحقیق کا ذوق رکھنے والے حضرات سے رجوع کرنا چاہیئے، اور وہ اہل اختصاص ہیں، اسی لئے مشہور ہے: کل علم یرجع فیه الی ذوی الاختصاص والاتقان فیه۔ (الروض الدانی فی الفوائد الحدیثیة: ص: ۱۴۰، ط: المکتبة الاسلامیه عمان الاردن)

علوم حدیث- دور جدید میں:

ڈاکٹر محمود احمد غازی تحریر فرماتے ہیں:

بیسویں صدی کو اگر ہم دور حاضر یا دور جدید قرار دیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے دوران علم حدیث میں ایک نئی سرگرمی پیدا ہوئی ہے اور علم حدیث پر کام کرنے کے نئے نئے میدان اور نئے نئے موضوعات سامنے آئے ہیں، خاص طور پر دنیائے عرب میں اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد نے علم حدیث پر ایک نئے انداز سے کام کا آغاز کیا ہے، اور تحقیق اور علمی کاوش کے ایسے ایسے نمونے دنیا کے سامنے رکھے ہیں جن کو علم حدیث کی تاریخ میں ایک نئے دور کا نقطۂ آغاز کہا جاسکتا ہے، عرب دنیا میں بہت سی جامعات کے شعبہ ہائے اسلامیات نے اور بہت سی جامعات اسلامیہ نے علم حدیث کے موضوع پر ایسے نئے نئے مقالات تیار کرائے ہیں جنھوں نے علم حدیث کے ان تمام گوشوں کو از سر نو زندہ کردیا ہے جن کو ایک طویل عرصہ سے لوگوں نے نظر انداز کردیا تھا۔

علم رجال، علم روایت، علم سند اور علم حدیث آج بھی ویسے ہی زندہ علوم ہیں جیسے آج سے ایک ہزار سال پہلے یا بارہ سو سال پہلے تھے، ان علوم میں تحقیق کے ایسے ایسے گوشے اب بھی موجود ہیں جو اہل علم کی اور طلبہ حدیث کی توجہ کی مستحق ہیں، علامہ اقبال کا ایک فارسی شعر ہے جو شاید انہوں نے ایسے ہی کسی موقع کے لئے کہا ہوگا ؎

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغان
ہزار بادہ ناخوردہ دررگ تاکست

(ترجمہ) یہ مت سمجھو کہ انگور کے خوشے سے شراب نچوڑنے والے کا کام ختم ہو چکا ہے، ابھی تو انگور کے خوشوں میں ہزاروں شرابیں ہیں جو نچوڑی جانی ہے اور جن کو نکال کر ابھی لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔

یہی معاملہ علم حدیث کا ہے کہ علم حدیث کے تمام علوم وفنون میں تحقیق کے ایسے ایسے گوشے ابھی موجود ہیں جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور اہل علم ان پر کام کررہے ہیں۔

اس معاملہ میں دنیائے عرب کی جامعات نے؛ خاص طور پر جامعہ ازہر، سعودی عرب، شام اور مراکش کی جامعات میں علم حدیث کے موضوعات پر قابل ذکر ذخیرہ پیش کیا ہے اور علم حدیث کو ایک نئے انداز سے مرتب کرنے کی طرح ڈالی ہے۔

بیسویں صدی اس اعتبار سے علم حدیث کی تاریخ میں نمایاں ہے کہ وہ مواد جو ابتدائی دوتین صدیوں میں جمع ہوا تھا، تیسری چوتھی صدی ہجری تک آ گیا تھا، وہ بعد کے سالوں میں یعنی پانچویں، چھٹی صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک لوگوں کے لئے اکثر وبیشتر دستیاب نہیں رہا اور عام لوگوں کو ملا نہیں تھا، بعض بعض کتب خانوں میں موجود تھا اور اہل علم جا کر استفادہ بھی کیا کرتے تھے، لیکن بیسویں صدی میں یہ سب کتابیں چھپ کر عام ہو گئیں اور لوگوں تک پہنچ گئیں۔

(محاضرات حدیث: بارہواں خطبہ، ص: ۴۴۱-۴۴۳، ط: اریب پبلیکیشنز)

اختصاص کیوں ضروری ہے؟

علوم اسلامیہ کی دنیا وسیع وعریض ہے، دورِ قدیم میں طبائع باہمت، حوصلے بلند وبالا، صحتیں تنومند وتوانا اور حافظے مضبوط ہوا کرتے تھے تو بیک وقت علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع

شخصیات بھی موجود رہتی تھیں، عہد رفتہ کے ساتھ صلاحیتیں ضعف کا شکار ہوتی گئیں تو جامعیت کی شان بھی ندرت کا شکار ہوتی ہوگئی، یوں اختصاصی مہارتوں کی ضرورت بڑھتی چلی گئی، اختصاصی مہارتوں کی اہمیت بتلانے کو زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ان الہامی جملوں میں پنہاں اشارے قابل غور ہیں: جو سابق میں ذکر کئے گئے ہیں یعنی حدیث خصوصیات ومناقب بعض صحابہ۔

محدثین اس حدیث کو عام طور پر ''مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے ذیل میں ذکر کرتے ہیں، اس لیے کہ اس میں یکجا کئی کبار صحابہ کے مقام ومرتبہ اور ان کے امتیازی اوصاف وخصوصیات کا بیان ہے، ''اشارۃ النص'' کے طور پر اس حدیث سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ''اختصاص'' کی بنیاد عہد نبوت میں ہی ڈال دی گئی تھی، چنانچہ مذکورہ روایت میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے اختصاصی علوم کی جانب واضح اشارہ ملتا ہے۔ یوں بھی دور حاضر کو اختصاص (اسپیشلائزیشن specialization) کا عہد کہا جاتا ہے، بلکہ اب نوبت اس سے بڑھ کر ذیلی اختصاص (سب اسپیشلائزیشن sub specialization) تک جا پہنچی ہے، چنانچہ آج علاج کے سلسلے میں بھی جنرل ڈاکٹر کے بجائے متخصص (اسپیشلسٹ specializatist) سے ہی رجوع کیا جاتا ہے، اس بنا پر علوم دنیویہ کی مانند علوم اسلامیہ میں بھی فطری طور پر یہی رویہ عین فطرت کے مطابق ہے کہ ضروری علوم میں کلی وبنیادی معلومات کے حصول کے بعد کسی ایک علم وفن میں کمال حاصل کیا جائے، کیونکہ ہر ایک علم وفن میں دقت رسی دشوار ہی نہیں، کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں ناممکن ہے، فقہ ظاہری کے امام اور پانچویں صدی کے نامور عالم، حافظ ابومحمد علی بن حزم اندلسی رحمہ اللہ (۳۸۴ھ۔۴۵۶ھ) اپنی کتاب ''مراتب

العلوم‘‘ میں اس پہلو پر بحث کرتے ہوئے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

”من طلب الاحتواء على كل علم أوشك أن ينقطع وينحسر، ولا يحصل على شيئى. وكان كالمحضر الى غير غاية، اذ العمر يقصر عن ذلك. وليأخذ من كل علم بنصيب، ومقدار ذلك: معرفته بأغراض ذلك العلم فقط، ثم يأخذ مما به ضرورة الى ما لابد له، كما وصفنا، ثم يعتمد العلم الذى يسبق فيه بطبعه وبقلبه وبحيلته، فيستكثر منه ما أمكنه، فربما كان ذلك منه فى علمين أو ثلاثة او أكثر، على قدر ذكاء فهمه، وقوة طبعه، وحضور خاطره، واكبابه على الطلب“.

(مراتب العلوم لابن حزم ضمن مجموع رسالاته، ۴: ۷۷، ۷۸)

’’جس کسی نے بھی ہر علم میں مہارت حاصل کرنے کا ارادہ کیا وہ ختم ہو کر رہ گیا اور کچھ حاصل نہ کر پایا، اس کی مثال اس تیز رفتار شخص کی مانند ہے جس کی کوئی منزل نہ ہو؛ اس لیے کہ متاع حیات بہت تھوڑی ہے، لہٰذا ہر علم میں سے کچھ حصہ حاصل کرنا چاہیے، یعنی اس کے بنیادی مقاصد کی معرفت کے بعد ضروری مباحث کو حاصل کرے، بعد ازاں جس علم کی جانب طبعی وقلبی میلان اور رجحان ہو اس میں حتی الامکان مزید محنت وکوشش سے کام لے، یوں فہم وذکاوت، طبعی قوت، جمعیت خاطر اور یکسوئی کے بقدر کم وبیش دو تین علوم میں ہی مہارت حاصل کر سکے گا‘‘۔

ذرا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ہمارے سلف میں یہی رجحان پایا جاتا تھا، امام لغت وجلیل القدر امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (۱۵۷ھ-۲۲۴ھ) کا کہنا ہے:

”ما ناظرنى رجل قط وكان مفننا فى العلوم الا غلبته، ولا ناظرنى رجل ذو فن واحد من العلوم الا غلبنى فيه“. (جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر: باب اثبات المناظرة والمجادلة واقامة الحجة، ص: ۳۳۵، رقم: ۹۴۳، دار ابن حزم)

”جب بھی کسی متعدد علوم پر نگاہ رکھنے والے عالم سے مناظرے کی نوبت آئی تو میں غالب رہا، لیکن ایک فن کے ماہر کو ہمیشہ اس فن میں مجھ پر غلبہ حاصل رہا ہے“۔

چنانچہ متقدمین کے دور سے ہی حدیث کے سلسلے میں محدث کی اور فقہ واستنباط کے پہلو سے فقیہ کی رائے ہی معتبر قرار پاتی تھی، کوئی بعید نہیں کہ علوم اسلامیہ کی تدوین کے ابتدائی ادوار میں ”فقہ“ کی وسعت کے تین مختلف زاویوں (عقائد وکلام، فقہ اصطلاحی اور تزکیہ واحسان) میں سمٹنے کے پس پشت یہی فکر کارفرما رہی ہو، اس پہلو سے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ (۹۰۹ھ۔ ۹۷۳ھ) کا یہ جملہ ان گنت پیچیدہ گھتیاں سلجھا سکتا ہے:

”من غلب عليه فن يرجع اليه فيه دون غيره“.

(الفتاوی الحدیثیة، ص:۳۲۸، قدیمی کتب خانہ کراتشی)

”جس عالم پر کوئی ایک فن غالب ہو تو اسی فن سے متعلق ان سے رجوع کیا جائے گا، دیگر علوم میں ان سے رہنمائی نہیں لی جائے گی“۔

برصغیر کے نامور محقق عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ (۱۲۶۴ھ۔ ۱۳۰۴ھ) رقم طراز ہیں:

”ان الله تعالى جعل لكل مقام مقالا ولكل فن رجالا، وخص طائفة من مخلوقاته بنوع فضيلة لاتجد في غيره، فمن المحدثين من ليس لهم حظ الا رواية الأحاديث ونقلها من دون التفقه والوصول الى سرها، ومن الفقهاء من ليس لهم حظ الا ضبط للمسائل الفقهية من دون المهارة في الروايات الحديثية، فالواجب أن ننزل كلا منهم في منازلهم، ونقف عند مراتبهم“. (التعلیقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة: ص:۳۱، مکتب المطبوعات الاسلامیة حلب سوریا، ۱۴۲۶ھ۔ ۲۰۰۵ء)

”اللہ تعالی نے ہر موقع کے مناسب کلام اور ہر فن کے لائق مردان کار پیدا کیے

ہیں، اپنی مخلوقات میں سے بعض کو خاص نوع کی فضیلت بخشی ہے، جو باقی مخلوق میں نہیں، بعض محدثین کو محض احادیث کی روایت نقل کا مشغلہ نصیب ہوا ہے، حدیث کی فقہ اور اسرار تک ان کی رسائی نہیں، یونہی فقہاء کی ایک جماعت مسائل فقہیہ کے ضبط میں مصروف رہی ہے، انہیں حدیثی روایات میں مہارت حاصل نہ تھی، لہذا ہر ایک طبقہ کو اس کا جائز مقام دینا اور ان کے مراتب کی حدود پر قائم رہنا ضروری ہے''۔

جب ہر فن میں صاحب فن کا قول ہی معتبر ٹھہرا تو ہر دور میں ہر فن کے متخصصین کا وجود بھی ناگزیر قرار پاتا ہے، پھر جبکہ علوم آلیہ بلکہ علوم عقلیہ محضہ کے شناوران پر زندگیاں نچھاور کر رہے ہوں تو علوم عالیہ اور خصوصا علوم حدیث پر جان کاری کی اہمیت مخفی نہ رہنی چاہیے، بلاشبہ کسی بھی علم وفن کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن ''أعط كل ذي حق حقه''

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من أقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع، رقم الحدیث:۱۹۶۸، ص:۲۳۴، ط: دار ابن حزم، القارہ) (ہر حق دار کو اس کا جائز حق دو) کے مخاطبین سے واجب حق کی ادائیگی کا سوال بھی اہل عقل کے ہاں یقینا غیر دانشمندانہ شمار نہ ہوگا، تعلیم کے انتہائی مرحلے میں طبعی رجحانات ومیلانات کو پیش نظر رکھ کر صلاحیتوں کی تقسیم کے لحاظ میں ہر میدان کی علمی ضروریات کو دیکھتے ہوئے منصفانہ تقسیم کا مطالبہ عین فطرت ہے اور یہی ان گذارشات کا مقصود ہے۔

''تخصصات'' کے سلسلے میں ایک عمومی اشکال سننے میں آتا ہے کہ قدماء میں تو یہ طریقہ رائج نہیں رہا، آخر اس کی کیا ضرورت ہے؟ عرض یہ ہے کہ بلاشبہ قدماء کے ہاں مروجہ طرز پر ''تخصصات'' کا رواج نہ تھا، لیکن امت مسلمہ کی علمی وتعلیمی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد طلباء کو جس فن سے قلبی

وابستگی ہوتی تو اس فن کے ماہر کے ہاں جا کر مزید رسوخ حاصل کیا کرتے تھے، عصر حاضر میں چونکہ انفرادی تعلیم کا یہ سلسلہ دشوار ہو چلا ہے، اس بنا پر مدارس و جامعات میں انتظامی طور پر اصحاب فن کی نگرانی میں شعبے کھول کر طلبائے علم کو استفادے کی دعوت دی جاتی ہے، گویا زمانے کے چلن کی بنا پر اسلوب و منہج کا فرق ہے، جبکہ حقیقت وہی ہے جو قدماء سے چلی آرہی ہے۔ (مقالہ: علم حدیث ایک بحر بیکراں: ص: ۲-۵)

اسی لئے ''نزہۃ الخواطر'' میں جو فہرست دی گئی ہے، اور ہر ایک کا تذکرہ اور حالات قلمبند کئے ہیں تو اس میں ہر ایک کے نام کے بعد ان کا اختصاصی فن، اور جس فن سے ان کو قلبی لگاؤ رہا، اسی وصف سے ان کو متصف کر کے نام ذکر کیا گیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اسلاف کے درمیان بھی اختصاص و مہارت کی اہمیت تھی۔

اختصاص کا معنی:

اس سے پہلے ہم اختصاص کا معنی جان لیں، اختصاص کا معنی ہے کسی فن یا علم کی کسی قسم میں امتیاز و مہارت حاصل کرنا، چنانچہ علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

(واختصه بالشيء) اختصاصا (خصه فاختص وتخصص) ويقال: اختص فلان بالأمر وتخصص له اذا انفرد۔ (تاج العروس: مادة: خصص، ص: ۸۸۲، ج: ۴)

المعجم الوسیط میں لکھا ہے: تخصص فی علم کذا: قصر علیه بحثه و جهده۔

(مادہ: خص ص: ۲۳۸، ط: کتب خانہ حسینیہ دیوبند)

معروف و مروج طریقہ کے مطابق اس کا معنی یہ کیا جا سکتا ہے کہ محنت و کاوش اور بحث و تحقیق کے نتیجہ میں علوم حدیث میں ایسی مہارت پیدا ہو جائے کہ متخصصین، حدیث کا مقام و مرتبہ جان سکیں، اس کے رجال کی چھان بین کر سکیں اور اس کے متن و سند پر ضروری

کلام پیش کرسکیں۔

علوم حدیث میں اختصاص کی ضرورت:

مندرجہ بالا تفصیل سے اجمالی طور پر دیگر علوم کی طرح علوم حدیث میں اختصاص کی اہمیت وضرورت بھی واضح ہوگئی،اس سلسلے میں چند مزید گذارشات نکات کی صورت پیش کی جاتی ہیں:

(۱) قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا بنیادی ماخذ ''حدیث وسنت'' ہے،اس لیے حفظ مراتب کے پہلو سے بھی قرآن وعلوم قرآن کے بعد علوم حدیث زیادہ توجہات کے مستحق ہیں،شاید اسی بنا پر مولانا محمد انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ (۱۲۹۲ھ۔۱۳۵۲ھ) کے فرزند نسبتی اور ان کے افادات پر مشتمل ''انوار الباری شرح صحیح بخاری'' کے مرتب مولانا احمد رضا بجنوری رحمہ اللہ کا تجزیہ ہے:''میرے نزدیک علوم اسلامیہ میں سب سے زیادہ اہم اور مشکل،حدیث ہی کا تخصص ہے''۔

(تخصص حدیث شریف،تعارف،اصول وضوابط،ص:۷۲، جامعہ مظاہرعلوم سہارن پور،انڈیا)

درس نظامی کے مختلف درجات میں کتب صحاح سمیت دیگر کتب حدیث اور اصول حدیث کی کتب شامل نصاب ہیں،جن سے علوم حدیث سے بنیادی شناسائی تو ضرور پیدا ہوجاتی ہے،لیکن دیگر علوم کی طرح اختصاصی مہارت تک رسائی حاصل نہیں ہوتی،لہذا جیسے ''تخصص فی التفسیر واصولہ،تخصص فی الفقہ والافتاء،تخصص فی الادب العربی،تخصص فی الدعوۃ والارشاد'' اور ''تخصص فی العلوم العقلیۃ'' کی ضرورت بجاطور پر محسوس کی جاتی ہے، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ذہین فضلاء کی ایک جماعت ''تخصص فی علوم الحدیث'' کی جانب متوجہ ہو،اوراس جہاں میں زندگی کھپا کرامت مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ کی ادائیگی کا ذریعہ

ثابت ہو، اس نکتے کو پیش نظر رکھتے ہوئے گردوپیش پر نگاہ ڈالی جائے تو افراد کی جتنی تعداد دیگر میدانوں میں نظر آتی ہے، علوم حدیث میں اختصاصی مہارتوں کی جانب ویسی توجہات نہیں۔

(۲) عصر حاضر میں علوم حدیث کے بہت سے پہلو بے اعتنائی کا شکار ہیں، مثلا: رجال احادیث، جرح وتعدیل، ضبط اسمائے رواۃ، غریب الحدیث، اسباب ورود احادیث، ناسخ ومنسوخ، اور احادیث الاحکام وغیرہ، پہلے گذر چکا کہ علوم حدیث ایک وسیع میدان ہے، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ان علوم کی چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں، ان میں سے ہر نوع پر مستقل کتب کی تالیف سے اسلامی کتب خانے میں ایک بہت بڑا ذخیرہ وجود میں آیا ہے، اور روز بروز اس میں مختلف جہات سے ترتیب وتدوین، تلخیص واختصار اور مختلف مباحث کے حوالے سے اٹھنے والے نئے اشکالات وسوالات کا جواب دینے کے لیے لکھا جانے والا لٹریچر بڑھ رہا ہے، جن کے تعارف، مناہج کی پہچان اور استفادہ کے طریقہ کار کی معرفت کارے دارد، ''علوم حدیث میں اختصاص'' کا ایک اہم مقصد اس قیمتی ذخیرے کا تعارف اور ہر علم وفن میں لکھی گئی کتب کے مناہج کی معرفت بھی ہے، تاکہ اس قیمتی ذخیرے سے واقفیت حاصل کرنے کے نئے مباحث میں امت مسلمہ کی رہنمائی کی جاسکے۔

(۳) ہر دور کی طرح دور حاضر میں بھی عوام اور خواص کے مختلف حلقوں میں شدید ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن ہے، موضوعات کے اس شیوع میں کھرے کھوٹے کی تمیز کر کے عوام وخواص میں اس کا شعور بیدار کرنا بھی ایک اہم عمل ہے، نیز فتن ودیگر موضوعات کی بے شمار روایات کا صحیح فہم نہ ہونے کی بنا پر غلط فہمیوں کا ایک طوفان برپا ہے، محتمل روایات کے مصداقات کی تعیین کے ذریعے بھی فتنہ وفساد کی راہیں وا کی جارہی ہیں۔

بلکہ اب سوشل میڈیا پر بہت سی باتیں حدیث کے عنوان سے بغیر کسی تحقیق کے مادری یا ملکی زبانوں میں وائرل کی جاتی ہے،اوراس کے وائرل کرنے پر بعض فضائل بھی اپنی طرف سے بڑھا دیتے ہیں،بعض مرتبہ اس پر کوئی حوالہ ہی نہیں ہوتا،اور بعض مرتبہ حوالہ ہی غلط ہوتا ہے،اور وہ حدیث انتہائی ضعیف یا موضوع ہوتی ہے،بعض مرتبہ وعظ و بیانات میں بھی ایسی روایات بیان کردی جاتی ہے،اوراس کی تحقیق وتفتیش کی کوئی فکر نہیں کی جاتی ،پھر اس کی آڈیو یا ویڈیو کلپ لوگوں میں گشت کرتی ہے۔

اس صورت حال کی بنا پرعوام میں جو بے چینی اور ہیجان کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اصحاب فہم ودانش اس کا ادراک بھی کررہے ہیں،لیکن اس پہلو سے علمی کام کرکے ’’تشکیک‘‘ کی اس فضا کو ختم کرنے والے مردان جفا کار کو اکھیاں تِک رہی ہیں اور انتظار کی یہ طویل شب عرصے سے صبح کی نوید مسرت سننے کو بے تاب ہے۔

(۴) اصول حدیث کی متداول کتب،محدثین اور خصوصا فقہ شافعی کی نمائندہ شمار کی جاتی ہیں،جن کے بہت سے مباحث میں فقہائے حنفیہ کی آراء محدثین سے مختلف ہیں،اور درس نظامی کا عام فاضل محض حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳ھ۔ ۸۵۲ھ) کی’’ نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر‘‘ یا علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) کی’’تدریب الراوی فی تقریب النواوي‘‘ پڑھ کر حدیثی مباحث میں محدثینِ شافعیہ کی آراء کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سی الجھنوں کا شکار رہتا ہے،امر واقعہ یہ ہے کہ فقہائے احناف کی اصولی آراء ہماری اصول فقہ کی’’کتب السنۃ‘‘ کے ضمن میں زیر بحث آتی ہیں،وہاں اس جانب توجہات مبذول نہیں رہتیں،نیز احناف کے ہاں اس پہلو سے مستقل کام بھی کم ہے،ان اسباب کی بنا پر نصابی تعلیم کے دوران اصول حدیث کے پہلو سے خلا باقی رہ جاتا ہے،جبکہ اختصاصی

شعبوں میں اس کمی کی تلافی کی کوشش کی جاتی ہے۔(علم حدیث ایک بحر بیکراں:ص:۶،۷)

اب الحمدللہ اس شعبہ کے قیام نے اس ضرورت کو پورا کیا، چنانچہ ایک کتاب جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبۂ تخصص فی الحدیث سے ”دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الاحناف“ کے نام سے شائع ہوچکی ہے، نیز دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا سے، شعبۂ تخصص فی الحدیث ہی کے فیوض وبرکات سے اردو زبان میں ”حدیث کے اصول ومصطلحات منہج حنفی کی روشنی میں“ منصۂ شہود پر آچکی ہے۔

ایک اور کتاب ”منهج الحنفية فی نقد الحديث بين النظرية والتطبيق“ بھی منظر عام پر آچکی ہے، یہ مصر کے ایک حنفی عالم کیلانی محمد خلیفہ صاحب کی کاوش ہے، بہر حال یہ علمی ثمرات ایسے ہی اختصاصی شعبہ جات کی مرہون منت ہے۔

(۵) ”تخصص فی علوم الحدیث“ کے ان شعبوں کا ایک بنیادی مقصد علم حدیث کی تدریسی استعداد کے ساتھ تالیفی صلاحیت پیدا کرنا بھی ہے، اصحاب نظر جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا موجود مطبوعہ کتب سے کئی گنا بڑا ذخیرہ مخطوطات کی صورت میں مسلم وغیر مسلم دنیا کے مختلف سرکاری، اداراتی اور نجی کتب خانوں میں پردہ اخفا کی نذر ہے، ایسے میں پختہ وذی استعداد مدرسین کے ساتھ تحقیق مخطوطات کے ماہر اور عمدہ تالیفی صلاحیتوں کے حامل فضلاء بھی علمی میدان کی ضرورت ہیں، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ نے ایک موقع پر لکھا تھا:

تخصص کی دو شکلیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ طالب علم درس کے سلسلے میں استعداد پیدا کرسکے، اور وہ ”التخصص فی درس الحدیث“ کا اہل ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب لوگوں میں تصنیف وتالیف کی اہلیت ہو، ان کے تخصص کا مطلب

یہ ہے کہ وہ کسی خاص موضوع پر کسی کتاب کی تالیف کرسکیں، یا حدیث کے کسی مخطوطے کی تصحیح کرسکیں، اس پر تعلیقات وحواشی لکھ سکیں‘‘۔

(تخصص حدیث شریف، تعارف، اصول وضوابط، ص: ۲۳، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، انڈیا)

(۶) سابقہ نکات کے ضمن میں یہ پہلو بھی اہم ہے کہ حدیث کی حجیت اور شرح وبیان کے حوالے سے مختلف طبقات کے اشکالات وجوابات کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے، منکرین حدیث بھی اپنی مردہ اسکیم میں جان ڈالنے کی خاطر نت نئے مباحث چھیڑ کر سادہ لوح مسلمانوں میں تشکیکی جراثیم پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اس پر مستزاد بعض مسلم دانشور بھی اپنی کم فہمی کی بنا پر شبہات میں مبتلا ہو کر دانستہ ونادانستہ طور پر عوام میں ان کی اشاعت کی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں، اس صورت حال نے آج پرانی بحثوں کو دوبارہ زندہ کردیا ہے اور اس وقت عرب وعجم میں متنوع حدیثی موضوعات پر کتب ومقالات لکھے جارہے ہیں، سمینار اور کانفرنسیں ہورہی ہیں، برصغیر بھی اس صورت حال کی لپیٹ میں ہے، اور کسی درجے میں یہاں بھی اس پہلو پر کام کیا جارہا ہے، لیکن جدید چیلنجز کی بنا پر بہت سے تشنہ پہلوؤں پر قدیم ذخیرے کی روشنی میں عوام اور عصری تعلیم یافتہ طبقوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے علمی وتحقیقی لٹریچر کی ضرورت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ (علم حدیث ایک بحر بیکراں: ص: ۷، ۸)

مولانا ساجد صدوی صاحب لکھتے ہیں:

تخصص فی الحدیث کا بنیادی موضوع علوم حدیث کے بیش بہا ذخیرے کی حفاظت، صحیح فہم وتعبیر کے ساتھ نشر واشاعت، بحث وتطبیق کی روایت کا احیاء، کذب بیانی سمیت تمام کمزور پہلوؤں کا قلع قمع کرنا، غیر ضروری تشدد والے مزاج کی درستگی، دکاترہ اور

دوسرے معاصر مؤلفین کے دست برد کی نشاندہی، ان کے کاموں کی نگرانی، قدیم ورثے کی حفاظت واشاعت اور نئی ضرورتوں کا صحیح ادراک، بروقت مداوا کرنے کی تمام تر تدبیریں، جوپختگی، دوربیں نگاہی اور بصیرت افروزی کے ساتھ سلف صالحین بالخصوص دوراخیر کے اہل حق کی نمائندہ جماعت"اکابر علمائے دیوبند" کے مزاج ومذاق کا بھی رنگ لیے ہوئے ہوں۔

یہ اہداف عظیم ہیں، ان کا دائرہ عمل بہت بڑا اور وسیع ہے،دوسرے بیسیوں موضوعات کے ساتھ فقہ حنفی،علمائے احناف بالخصوص اکابر دیوبند کا حدیث کے حوالے سے عظیم کردار بھی اس وسیع دائرہ کے اندر موجود ہے۔

تاہم علوم الحدیث النبوی الشریف کی اِس درس گاہ میں بنیادی طور پر قوتِ استعداد اور صلاحیت کا پیدا ہوجانا ہدفِ اول کے طور پر پیش نظر رکھا جاتا ہے؛ جو تشکیلِ نصاب کا بنیادی جوہر ہے،ایک سال کے قلیل عرصہ میں ہر ایک ضروری موضوع پر کام کرنے کا موقع مل جانا بہت دشوار ہے؛البتہ نصابی تقاضوں پر عمل پیرا ہوکر،اصولی اور بنیادی منہج کے ساتھ مناسبت پیدا ہوجانے کے بعد حسبِ توفیق کسی بھی ضروری موضوع پر صحیح طریقہ سے کام کیا جاسکتا ہے۔

کسی بھی ضروری موضوع کو ہاتھ لگانا اور اُس کے بارے میں خامہ فرسائی کرنا جرأت کا اظہار کہلایا جاتا ہے،مگر اظہارِ جرأت مطلوب اور مقصود نہیں،دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اہلیت کا دائرہ کار کیا ہے؟کہیں بے وقت و بے جادخل اندازی تو نہیں ہورہی ہے؟ موضوع سے گہری وابستگی رکھنے والوں سے علمی تعلق خاطر بھی ہے، یا یوں ہی ہوائیاں اڑا رہا ہے؟

بنیادی صلاحیت واستعداد کا ملکہ حاصل ہونہ کسی صاحبِ فن کی تربیت کا جوہر ملا ہو

،اوپر سے ذوق ومزاج میں بھی غیروں سے آشنائی کا آمیزہ ہو، توضروری موضوعات وعنوانات پرخامہ فرسائی سے نئی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں اور یوں ایک مسئلہ حل ہونے کے بجائے بیسیوں اور پیدا ہوجاتے ہیں۔

نصابی تقاضوں میں ٹھوس صلاحیت، استعداد اورقوت فہم وادراک، سلف صالحین کا ذوق ومزاج اورطرز وطریقہ اول درجے کی چیز ہے، علمی ضرورتوں کا انتخاب، ذمہ داریوں کا نباہ، عملی اقدامات کی طرف پیش قدمی وقتی طور پر ثانوی درجے کی چیز شمار ہوتی ہے؛ کیونکہ پختگی اورصحیح ذوق ومزاج اپنائے بغیر علمی وتحقیقی ذمہ داریاں نہیں اٹھائی جاسکتیں۔

پچھلے دور کے چیلنجز:

حدیث اورعلوم حدیث کے حوالے سے جو چیلنجز پچھلے دورمیں تھے، وہ اب بھی موجود ہیں، وہ تمام باتیں اورمسائل جوکل اس کی اہمیت وضرورت کوکھول کھول کر بتا رہی تھیں اوراصحابِ حدیث کواٹک رہے تھے، ان کو بے چین کیے ہوئے تھے، وہ آج بھی موجود ہیں اورعصرحاضر کے خاص مسائل کے پیش نظر نئے چیلنجز اورسامنے آئے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ پچھلے چیلنجز کے حوالے سے ہماری ضرورت فنی مناسبت کے ساتھ مصادر ومراجع کی تلاش سے پوری ہوجاتی ہے؛ مگر نئے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے ہمیں تنہا میدان میں کودنا پڑ رہا ہے، مسائل کا صحیح ادراک کرنا، اس کا پس منظر جاننا اورغور وخوض کرکے اس کی تہہ تک پہنچنا، پھراس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرکے ان سے نمٹ لینا یہ سب کام خود سے کرنے پڑ رہے ہیں۔

آج بھی موضوع ومن گھڑت روایات کا رواج وچلن ہے، وعظ ونصیحت، ترغیب وترہیب کے حلقوں میں، رواج ورسومات کے موقعوں پر، عقائد ونظریات ہرجگہ اس کا سہارا

لیا جاتا ہے، اچھے خاصے اہلِ علم لوگ بھی بہتے دریا کے ساتھ چل پڑتے ہیں، زبان زدعوام روایتیں کسی مراجعت کے بغیر بیان کردیتے ہیں؛ جس میں موضوع تک آجاتی ہیں۔

فرقِ باطلہ، روافض، آغا خانی اب تک اپنے آباء واجداد کی روایات برقرار رکھے ہوئے ہیں ، بری عادت کے مطابق من گھڑت روایات سنا سنا کر اپنے معتقدین کو ایک مخصوص حصار میں جکڑے رکھتے ہیں ؛ تاکہ ان کو صحیح اسلامی تعلیمات کی ہوا نہ لگے، خوشی وغمی کے نام پر فرقِ مختلفہ نام نہاد عباداتی ونیم سیاسی رسومات کے موقعوں پر وہی ایران توران کے جھوٹے قصے، کہانیاں اور من گھڑت روایات کی بھرمار ہوتی ہے، جس کی تکذیب کئے ہوئے ناقدینِ حدیث کو ایک زمانہ گزر چکا ہے، جو صحیح العقیدہ لوگ ان کے قریب رہتے ہیں، بالخصوص خواتین اُن پر اِن بے سروپا باتوں کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں، تعلیم یافتہ کہلوانے والے جاہل بھی خوب جی بھر بھر کر جہالتِ مرکبہ سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔

یہ سلسلہ رکا نہیں ، یہ تمام وہ مواقع ہیں جہاں برسرعام پوری ڈھٹائی کے ساتھ سرورکونین جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے آل واصحاب اور سلف صالحین پر جھوٹ بولا جاتا ہے، کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ مقتدایانِ امت نے بہت پہلے اِن چیلنجز کا سامنا کیا تھا اور ان بدنہاد لوگوں کی خبر لے کر گھر کے چوروں کی ریشہ دوانیوں کو طشت از بام کیا تھا۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ علوم حدیث ومصطلحات کی تدوین وتنقیح ہوجانے کے باوجود ان سے پوری واقفیت اور غیر رسمی مہارت رکھنے والے خال خال ہی ملتے ہیں، ائمہ فن کی کتنی عبارتیں، اصطلاحات، آراء اور اقوال ایسے لوگوں کی راہ تک رہے ہیں جو اس کا صحیح مفہوم بتاسکیں، اس کی صحیح تطبیق کرسکیں، اشکالات کا محاکمہ کرسکیں اور غلط فہمیوں کے شکار لوگوں کو سمجھاسکیں، ادھر ادھر سے چند حوالے دے دینا، سوئے ہوئے شیروں کو جگائے بغیر

گزر جاناتو شاید مطبوعات اور اردو تراجم کی بہتات کے اس دور میں زیادہ مشکل نہیں رہا؛ مگر کتابیں جمع کر لینا فنی مہارت کا متبادل نہیں ہوسکتا، یہ سب زمانہ گزشتہ کے چیلنجز ہیں، جن سے بے خبر شخص کسی صورت نئے چیلنجز کا سامنا نہیں کرسکتا، بلکہ علمی دنیا کے مسائلِ معضلہ میں مزید اضافے کا باعث بنے گا۔ (حدیث کے میدان میں نئے چیلنجز اور علوم حدیث کی بازیافت: ص: ۴، ۵)

مقاصد واہداف

مولانا محمد معاویہ سعدی صاحب اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

(۱) کسی بھی ادارہ یا شعبہ کا نصاب ونظام اُس کے مقاصد اور اہداف کی تعیین کے بعد ہی طے کیا جاسکتا ہے، اس لیے سب سے پہلے مقصد کی تعیین اور ہدف کی نشاندہی ضروری ہے۔

(۲) اس شعبہ میں داخل ہونے والے طلبہ کی علمی ترقی سے زیادہ، اُن کی عملی تربیت اور فکری تحفظ کی طرف توجہ دینا اہم ہے، اس لیے کہ آج کل آزاد فکری، اور ائمۂ مجتہدین وسلفِ صالحین سے بے اعتمادی: بالعموم آزادانہ طور پر مطالعۂ حدیث سے اور اِس فکر کے حاملین کے (مختلف موضوعات پر لکھی گئی) کتابوں کے پڑھنے سے پیدا ہورہی ہے۔

اس لیے ہمارے بعض بزرگوں کا ذوق تو یہی رہا ہے کہ طلبہ کو ایسی کتابوں کے پڑھنے کا موقع ہی نہ دیا جائے، مگر آج کل یہ چیز چونکہ مشکل ہوچکی ہے، بلکہ خالی الذہن رہنا بعض مرتبہ زیادہ مضر ہوسکتا ہے، اس لیے بقدرِ استطاعت علمی، عملی اور فکری تحفظات کی ضمانت کے ساتھ اِس شعبے کے نظام اور قیام کی سعی کی جاسکتی ہے۔

احقر کے نزدیک علمِ حدیث کی ضرورت کے پیشِ نظر، اور حالات ومسائل کے تقاضوں کے تحت اس دور میں شعبۂ ''تخصص فی الحدیث'' کے قیام کے تین بنیادی مقاصد ہوسکتے ہیں:

(۱) فن، اَصحابِ فن اور کتبِ فن کا تعارف، اُن سے مناسبت، اور فن کے تعلق سے پیش آنے والی مشکلات کا حل۔

اس مقصد میں لگنے والوں کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ مبارک دعا اور بشارت موجود ہے: نضر اللّٰہ امرءاً سمع منا شیئاً، فبلّغه کما سمع، فرب مُبلَّغ أوعی من سامع.

(ترمذی: ۲۶۵۷، عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وقال: حسن صحیح)

(اللہ تروتازہ رکھیں اُس شخص - یا جماعت - کو جو ہماری طرف سے کوئی بات سنے، پھر اُس کو بلا کم وکاست دوسروں تک پہنچا دے، کیوں کہ بعض مرتبہ جس کو بات پہنچائی جاتی ہے وہ سننے والے سے زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے۔)

(۲) تفقہ فی الدین اور حدیث سے متعلق فقہی مذاہب کے درمیان مقارنہ کی صلاحیت پیدا کرنا، اور اس کے ذریعہ حدیث اور عمل بالحدیث کے نام پر اُمت میں فکری اضطراب اور عملی انتشار پھیلانے والوں، اور فقہ متوارَث اور تقلید ائمہ کے منکرین کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات دینا۔

تفقہ فی الدین حاصل کرنے والوں کے لیے بھی حدیثِ پاک میں وارد یہ عظیم خوش خبری موجود ہے: "من یُرِد اللّٰہ به خیراً یُفقّهه فی الدین". (بخاری: ۷۱، ومسلم: ۱۰۳۷) (اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اُس کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔)

(۳) ملحدین اور منکرین حدیث کی طرف سے پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کا رد کرنے کی طرف توجہ۔

جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے: يحمِل هذا العلم من كل خلف عُدولُه: ينفون عنه تحريف الغالين، وانتحال المبطلين، وتأويل الجاهلين۔
(مشکل الآثار: ۳۸۸۴، والحديث بطرقه حسن)

یہ علم دین: ہر زمانہ کے ثقہ اور عادل لوگ حاصل کرتے رہیں گے، اور اس کے ذریعہ دین میں غلو کرنے والوں کی تحریفات، اہل باطل کے غلط دعاوی، اور جاہلوں کی الٹی سیدھی تاویلات سے دین کو بچاتے رہیں گے۔ (مقالہ شعبۂ تخصص فی الحدیث، مقصد اور منہج: ص: ۲-۵)

اس شعبہ کے ذریعہ متخصصین کو درج ذیل امور فراہم کرنا ہے:

(۱) متخصصین شریعت اسلامیہ کے دوسرے مصدر حدیث شریف کے اصول وضوابط اور آداب کی واقفیت ومعرفت حاصل کرسکیں۔

(۲) احادیث کے مختلف مراجع ومصادر کے درمیان، مصادر اصلیہ وغیر اصلیہ کے اعتبار سے تمیز کرسکے، نیز حدیث کی معتبر واہم کتب سے روشناس ہوسکے۔

(۳) مختلف محدثین میں سے اکثر کے منہج سے واقف ہوسکے۔

محدثین کا منہج:

یعنی حدیث کی تاریخ اور مختلف ادوار کا مطالعہ؛ تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ حدیث کن مراحل سے گذر کر ہم تک پہنچی ہے، اور محدثین نے قرون سابقہ میں حدیث کی حفاظت وصیانت کے لئے کیا خدمات انجام دی ہے؟ اور ہر صدی میں محدثین کا علوم روایت ودرایت میں کیا منہج رہا؟ اس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، اسی طرح حدیث وسنت کے دفاع میں جو کتابیں تصنیف کی گئی ہے، اس کا مطالعہ کرنا۔

محدثین کے منہج اور ان کی خدمات پر مختلف کتابیں منظر عام پر آچکی ہے، اس میں

سے چند درج ذیل ہے:

(۱) مناهج المحدثين، دكتور محمد بن تركی التركی۔

یہ کتاب دار العاصمہ سے طبع ہوئی ہے، جس میں امام مالک، امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور طبرانی کا منہج ذکر کیا ہے۔

(۲) مناهج المحدثين العامة والخاصة (الصناعة الحديثية)، علی نايف البقاعی۔

(۳) مناهج المحدثين العامة فی الرواية والتصنيف، نور الدين عتر۔

(۴) لمحات فی دقة المحدثين المنهجية للحفاظ على السنة النبوية، محمد عبدالله حيانی۔

(۴) مصادر اصلیہ سے حدیث کے معانی ومفاہیم کا استخراج کر سکے۔

(۵) مختلف اسانید وطرق کی تدریب وتمرین کی روشنی میں صحت وضعف، سقم وعلت وغیرہ سے واقفیت ہو۔

طرق تخریج ودراستِ اسانید: یعنی تخریج کے مختلف طریقے سیکھنا، اور کس طریق میں کونسی کتاب مدومعاون ہے، اس کی معرفت حاصل کرنا، تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ اہل فن کتب معتبرہ میں مواضع حدیث کی معرفت میں کونسا طریقہ اپناتے ہیں؟ اور کس طرح کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں؟ اس موضوع پر بھی مختلف کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہے، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہے:

(۱) الواضح فی فن التخريج ودراسة الاسانيد، اس کتاب کی تالیف میں ۱۰ علمائے اردن شریک ہیں۔

(۲) منهج دراسة الاسانيد، والحكم عليها، العانی۔

(۳) القول المفيد فی كيفية التخريج ودراسة المتون والاسانيد، دكتور محمد انور بيومی۔

(۴) شفاء العليل بالفاظ وقواعد الجرح والتعديل، مصطفى بن اسماعيل۔

(۵) التأصيل لاصول التخريج وقواعد الجرح والتعديل، بكر ابوزيد۔

(۶) علوم حدیث میں محدثین عظام کے مختلف افکار ونظریات کو مستحضر رکھتے ہوئے، علوم حدیث میں روایت ودرایت کے اعتبار سے وسیع وعمیق معرفت پیدا کرنا، اور ضرورت کے مطابق تالیف یا کسی کتاب کی حدیثوں کی تخریج کرنا، تالیف چاہے قدیم مصادر سے فائدہ اٹھا کر ہو یا نئے مصادر کی روشنی میں ہو، تا کہ علوم ومصطلحاتِ حدیث کی مبادیات میں تطبیق کی قدرت پیدا ہو، مؤثر طریقہ سے نقد، تحلیل وتجزیہ اور مشکلات کا حل پیش کرنے کی صلاحیت ہو۔

(۷) علوم حدیث اور اس کے مصادر ومناہج میں غور وخوض کرنے والے علمائے کرام کی صلاحیتوں کو اس انداز میں پیدا کرنا ہے کہ وہ احادیث نبویہ کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے احادیث رسول کی حفاظت وصیانت میں اہم کردار نبھا سکے اور اس میں مکمل تحقیق پیش کر سکے۔

(۸) فراغت کے بعد حدیث وعلوم حدیث کے اعتبار سے علمی وتحقیقی سرگرمیوں میں لگے رہیں، اور اس کار عظیم کے لئے ان میں ایسی قدرت ومہارت اور صلاحیت پیدا ہو کہ وہ ان علمی وتحقیقی میدانوں میں سرگرم رہے۔

(۹) ایسے علماء وباحثین تیار کرنا ہے جو وعظ ونصیحت اور دعوت وارشاد کے میدان میں مستند ومعتبر کتب حدیث کے حوالے سے صحیح وقابل اعتبار احادیث کی روشنی میں دینی خدمت انجام دیں اور غیر معتبر مراجع ومصادر یا ناقابل اعتبار مواد سے پرہیز کرسکیں۔

(۱۰) متخصصین اپنی عملی زندگی اور حیات مستعار میں سنت نبویہ سے مربوط رہیں۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا

نصاب تعلیم :

چوں کہ گجرات کے مدارس میں یہاں پہلی مرتبہ اس اہم شعبہ کا قیام ہونے جارہا تھا، اس لئے اس کی اہمیت کے پیش نظر ادارے کے باوقار مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا اقبال صاحب زیدمجدہم نے باقاعدہ دیوبند اور سہارنپور کا سفر فرمایا (جس کی روئیداد مذکور کتاب کے مقدمہ میں حضرت نے تحریر فرمائی ہے)، اور وہاں کے بڑے اساتذۂ حدیث، شیوخ الحدیث، اور بزرگان دین سے مشورہ فرمایا، اور ان علماء اور بزرگوں کے مشورے کے بعد شعبۂ تخصص کے لئے جو نصاب متعین فرمایا، پہلے اس کو اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے، پھر اس نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی مزید تفصیلات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

(۱) تخریج الحدیث نشأته ومنهجيته مؤلف: مولانا ابواللیث خیرآبادی قاسمی

(۲) قفو الاثر فی صفوة علوم الاثر مؤلف: علامہ رضی الدین محمد بن ابراہیم حلبی

(۳) الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث مؤلف: علامہ احمد محمد شاکرؒ

(۴) شرح مشکل الآثار مؤلف: امام ابوجعفر طحاویؒ

(۵) شرح علل الترمذی مؤلف: علامہ ابن رجب حنبلیؒ

(۶) السنة ومكانتها فی التشریع الاسلامی مؤلف: الدکتور مصطفی السباعی

(۷) قواعد فی علوم الحدیث (مقدمۂ اعلاء السنن) مؤلف: علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

علم حدیث چوں کہ مختلف انواع پر مشتمل ایک اہم فن ہے، اور ہر نوع سے اس کی اہمیت اور ضرورت علماء اور محدثین کے یہاں مسلم ہے، اور مطلق حدیث کے طلبہ کے لئے عموماً اور تخصص فی الحدیث کے طلبہ کے لئے خصوصاً ان تمام انواع سے فی الجملہ واقف ہونا ضروری ہے، اس لئے چھ جامع عنوانات کے تحت اوقات تعلیم کو متعین کیا گیا، وہ چھ جامع عنوانات درج ذیل ہیں۔

(۱) تخریج الحدیث اور دراسۃ الاسانید:

قیام شعبۂ تخصص حدیث شریف کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ طلبہ کو تخریج حدیث کی مشق کرائی جائے، اور احادیث پر حکم لگانے کے اصول وضوابط اور اس طریقۂ کار سے ان کو قریب کیا جائے، اس اہم کام کے لئے سب سے پہلے طلبہ کو مولانا ابواللیث خیرآبادی قاسمی کی کتاب ’’تخريج الحديث نشأته و منهجيته‘‘ پڑھائی جاتی ہے، اگر چہ اس موضوع پر دوسرے علماء کرام کی بہت سی کتابیں موجود ہیں، مگر یہ کتاب سب سے جامع اور مفید زیادہ ہے، اور مصنف نے اپنی اس کتاب میں تخریج حدیث کے مبادی، تخریج حدیث کے چھ طرق، ان کے محاسن ومعایب حکم علی الحدیث اور سند ومتن کے دراسۃ کا طریقہ وغیرہ امور نہایت مفصل، اور شاندار ترتیب سے تحریر فرمائے ہیں، نیز جدید ذریعہ ’’کمپیوٹر‘‘ سے تخریج کا طریقۂ کار بھی تحریر فرمایا ہے، اس لئے نصاب میں یہ کتاب رکھی گئی ہے۔

تخصص کے طلبہ کو سب سے پہلے یہ کتاب درایۃً پڑھائی جاتی ہے، اور بقرہ عید کی تعطیلات تک یا بعد تعطیلات پندرہ، بیس دن میں یہ کتاب مکمل ہوجاتی ہے۔

اس کے بعد طلبہ کے لئے مشق تخریج حدیث کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے، اور کسی خاص کتاب کی تخریج ان پر لازم کی جاتی ہے، سال بھر طلبہ اس کی مشق کرتے ہیں، نیز ہر طالب علم کے لئے پورے سال میں ایک سو پچاس احادیث کی تخریج ضروری ہے، اس کے بغیر اس کی تخریج ناقص سمجھی جاتی ہے، اور تخصص کی سند کا حصول اس تعداد کی تکمیل پر موقوف ہے، اس لئے طلبہ اپنی پوری کوشش اور محنت کے بعد اس تعداد (۱۵۰) کو مکمل کر لیتے ہیں، اور تخریج کے دوران اگر کوئی دشواری مثلاً سند ومتن کے سمجھنے میں ، اسماء رجال کے بارے میں اور مصادر کی تلاش وغیرہ امور میں، ان کو پیش آتی ہے تو شعبہ کے اساتذہ سے رجوع کر کے اپنا مسئلہ بآسانی حل کر لیتے ہیں۔

قیام شعبہ سے لے کر اب تک طلبہ تین کتابوں کی احادیث پر تخریج کا کام مکمل کر چکے ہیں، ایک ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' دوسرے ''زجاجة المصابیح'' اور تیسری ''تفسیر المظهری''۔

پہلی کتاب کی احادیث پر نظر ثانی کا کام ادارے کے استاذ ''مولانا عبدالرشید صاحب منوبری'' کر رہے ہیں، جس کی ایک جلد ''فرحة اللبیب'' کے عنوان سے طبع ہوکر منظر عام پر آ چکی ہے، اصل کتاب میں ۴۱ فصلیں ہیں، ان میں سے ۲۰ فصلوں پر جو کام ہوا ہے، وہ مذکور جلد اول میں آ چکا ہے۔

اور دوسری کتاب پر نظر ثانی کا کام ادارے کے استاذ ''مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری'' کر رہے ہیں، جس کی دو جلدیں ''جهود المراجیح'' کے نام سے چھپ چکی ہیں، جس میں کتاب الایمان، کتاب الطہارة، کتاب الصلاة کے کچھ ابواب کا تخریجی کام شامل ہے۔

اورتیسری کتاب پر نظر ثانی کا کام ابھی باقی ہے، اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

طریقۂ تخریج:

تخریج کا طریقہ یہ رہتا ہے کہ سب سے پہلے اصل مصنف کے حوالہ کے مطابق وہاں سے حدیث کو نکالتے ہیں، اس کے بعد دیگر کتب اصلیہ سے بھی تخریج کرتے ہیں، اور وہ حدیث اگر صحیحین کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے تو حتی الامکان ائمہ کے اقوال کی روشنی میں اور بصورت دیگر سند اور متن کے دراسۃ کے بعد اس کا درجہ بھی متعین کر لیتے ہیں۔

اس اعتبار سے تخریج حدیث کے ساتھ ساتھ طلبہ حکم علی الحدیث کا طریقہ بھی بآسانی مشق کر لیتے ہیں۔

اسماء رجال:

تخصص فی الحدیث کے طلبہ کے لئے فن اسماء رجال سے واقفیت نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر طلبہ بعض مرتبہ بڑی غلطی کا شکار ہوجاتے ہیں، جس کا ان کو احساس بھی نہیں ہوتا، اب چوں کہ ہمارے یہاں ایک سال میں نصاب مکمل ہوجاتا ہے، اس لئے مستقلاً کوئی کتاب اسماء رجال سے متعلق داخل درس نہیں ہے، البتہ اس کی تلافی اور تدارک اس طور پر کرلیا جاتا ہے کہ طلبہ جب اپنی اپنی مفوضہ احادیث کی تخریج کرتے ہیں تو اس دوران سند میں بعض مرتبہ ایسے رجال بھی آجاتے ہیں، جو غیر معروف ہوتے ہیں، یا مبہم اور مہمل ہوتے ہیں، یا جن کا ضبط مشکل ہوتا ہے، ان رجال کی تحقیق متعلقہ کتابوں کی مراجعت کے بعد کروائی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں طلبہ میں اس باریک فن کا اچھا خاصا ذوق پیدا ہوجاتا ہے۔

اور تدارک کی دوسری شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ اصول کی کتابوں کے درس کے دوران

جب ''متفق ومفترق''، ''مؤتلف ومختلف'' اور ''متشابہ'' کی بحثیں آتی ہیں، تو وہاں سے بھی طلبہ کو کافی معلومات رجال کے بارے میں فراہم ہوجاتی ہے۔

اس طرح فی الجملہ طلبہ اسماء رجال سے بآسانی واقف ہوجاتے ہیں، اور مستقبل میں رجال سے متعلق کتابوں کی مراجعت کا مسئلہ ان کے لئے سہل اور آسان ہوجاتا ہے۔

(۲) اصول حدیث:

اصول حدیث میں ہمارے یہاں تین کتابیں داخل درس ہیں، ایک ''قفو الاثر فی صفوۃ علوم الاثر'' اس کتاب کے مصنف ''علامہ رضی الدین محمد بن ابراہیم حلبی حنفی'' ہیں، جو ''ابن الحنبلی'' سے مشہور ہیں۔ (متوفی: ۹۷۱ھ)

دوسری کتاب ''الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث'' اس کے مصنف عالم اسلام کے مشہور عالم محدث علامہ ''احمد محمد شاکر'' ہیں۔ (متوفی: ۱۳۷۷ھ)

تیسری کتاب ''مقدمۃ اعلاء السنن (قواعد فی علوم الحدیث) مؤلف: ظفر احمد تھانوی ۱۳۹۴ھ۔ جہاں تک پہلی کتاب کا تعلق ہے، تو وہ دراصل حافظ ابن حجر کی ''نخبۃ الفکر'' اور اس کی شرح ''نزھۃ النظر'' کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مصنف نے جب اپنے استاذ سے نخبہ پڑھی، تو درس کے دوران انہوں نے حواشی لکھے، بعد میں وہ حواشی مستقل کتاب ''قفو الاثر'' کے نام سے چھپ گئے، یہ کتاب حنفی مسلک اور احناف کے اصول میں تیار کی گئی ہے، ابن حجر جہاں اپنی کتاب میں اختلافی مسائل ذکر کرتے ہیں، اور شوافع کے مسلک کو راجح قرار دیتے ہیں، وہاں مصنف ہمارے حنفیہ کے اصول اور مذہب کی طرف نشاندہی کرتے ہیں، حنفی اصول میں یہ کتاب بہت نافع اور مفید ہے۔

اور جہاں تک دوسری کتاب کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ حافظ ابن الصلاح کی مشہور کتاب ''معرفة انواع علم الحديث'' (مقدمۂ ابن الصلاح) کا اختصار کرنے والوں میں حافظ ابن کثیرؒ بھی ہیں، انہوں نے اختصار کرکے اس کا نام ''اختصار علوم الحدیث'' رکھا، اس کے بعد اس اختصار کی شرح علامہ ''احمد محمد شاکر'' نے فرمائی، جو بجا طور پر ایک قیمتی کتاب کے درجہ میں ہے، اور بہت عمدہ شرح ہے، خصوصاً اختلافی مسائل کو بہت مفصل اور مثالوں کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، اور علوم الحدیث کی بعض انواع مثلاً حدیث صحیح مفید یقینی ہے یا مفید ظن، اسی طرح حدیث موضوع، مضطرب، مقلوب، اور معلل من الحدیث وغیرہ انواع کو بہت تفصیل اور مثالوں کے ساتھ واضح فرمایا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں یہ ایک معیاری اضافہ ہے، اسی اہمیت کے پیش نظر یہ کتاب داخل درس ہے۔

اور تیسری کتاب ''قواعد فی علوم الحدیث'' دراصل ''اعلاء السنن'' کا مقدمہ ہے، اس کتاب میں تصحیح وتحسین سے متعلق قواعد مہمہ اور اصول، فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے شرائط اور جرح وتعدیل کے اصول پر بھی شاندار کلام موجود ہے۔

اور آخر میں ''تتمۂ'' کے تحت چند مسائل اور قواعد مہمہ بیان کئے ہیں، اور ہمارے ائمہ ثلاثہ کے تراجم بھی لکھے ہیں۔

یہ کتاب شروع سال سے آخر تک مکمل درایۃً پڑھائی جاتی ہے۔

علل الحدیث:

فن حدیث میں سب سے زیادہ مشکل اور دشوار ''فن علل'' کو بتایا گیا ہے، یہ بہت باریک اور دقیق فن ہے، کیوں کہ علت نام ہی ہے اس سبب کا جو مخفی اور پوشیدہ ہو، اور صحت حدیث کے لئے قادح ہو، یہی وجہ ہے کہ بہت کم علماء اور محدثین اس فن میں ماہر ہوئے ہیں۔

علت کے موضوع پر متقدمین اور متأخرین کی تصانیف موجود ہیں، مثلاً امام علی بن مدینی اور امام عبدالرحمن بن ابی حاتم کی کتابیں، اسی طرح امام ترمذیؒ کی علل الصغیر بہت مشہور ہے، اور یہی علل صغیر ہمارے یہاں داخل نصاب ودرس ہے، جس کی بہترین اور عمدہ شرح علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے فرمائی ہے، بعد میں اس کتاب کو ''دکتور ہمام سعید'' نے مرتب کیا، یہ کاوش دکتور ہمام سعید صاحب کی دکتورہ کی سند کے حصول کے لئے ہے، گویا یہ ان کا پی ایچ ڈی، کا مقالہ ہے، انہوں نے اصل کتاب کے حاشیہ میں اپنی کاوش پیش کی ہے، جس میں انہوں نے علت کا بیان، اس کا میدان، اس میدان کے مشہور علماء، ابن رجب کی شرح کا تعارف، ان کا نہج، مرسل، عنعنہ، اور زیادۃ الثقہ وغیرہ امور کو عمدہ طریقہ سے تحریر فرمایا ہے، اور کتاب کے آخر میں علت کے عنوان پر چند قواعد مہمہ کو ذکر کیا ہے، جن کی تعداد ۱۹ ہیں، جو اس علم میں قواعد کلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کتاب کی افادیت، سہل انداز، عمدہ ترتیب اور قیمتی قواعد کے پیش نظر یہ کتاب داخل درس ہے، اور مکمل درایۃً پڑھائی جاتی ہے۔

(۳) مشکل الحدیث:

فن مشکلات الحدیث میں متقدمین نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان میں ایک نمایاں نام امام ابوجعفر طحاویؒ کا بھی ہے، آپ نے اس فن میں ''شرح مشکل الآثار'' نامی ایک قیمتی کتاب تصنیف فرمائی، جو آٹھ جلدوں میں مطبوع ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے اور مطالعہ سے طلبہ میں احادیث مشکلہ کے سمجھنے کی صلاحیت، مختلف اور متعارض احادیث کے مابین تطبیق کا طریقہ، اور مستفاد من الحدیث کی سمجھ اور فہم پیدا ہوتی ہے۔

امام طحاویؒ کا طریقہ کتاب میں یہ ہے کہ سب سے پہلے باب قائم فرما کر مختلف اسانید سے متعارض حدیثیں لاتے ہیں، اس کے بعد دفعِ تعارض فرماتے ہیں، نیز احادیث مشکلہ سے احکام ومسائل کا استخراج بھی کرتے ہیں۔

ہمارے یہاں شعبہ میں یہ کتاب داخل ہے، اور طلبہ سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے طلبہ ''خلاصۃ الحدیث'' کے عنوان کے تحت حدیث کا خلاصہ مختصراً ذکر کرتے ہیں، پھر امام طحاویؒ کی عبارت نقل فرما کر جمع وتطبیق کا خلاصہ آسان انداز میں پیش کرتے ہیں، اس کے بعد دیگر علماء کے جوابات بھی نقل کرتے ہیں۔

اس طرح اب تک دوجلدوں کا کام مکمل ہوا ہے، اور جلد نمبر ۳؍زیر عمل ہے، اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(۴) حفظ حدیث:

اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ ہمارے یہاں تخصص کے لئے ایک سال ہے، پورے سال میں نصاب تعلیم کی تکمیل کرکے امتحان کے بعد سالانہ جلسہ کے موقع پر طلبہ کو تخصص کی سند دے دی جاتی ہے، دوسرے مدارس کی طرح یہاں دوسالہ کورس نہیں ہے، اب ایک سال میں نصاب تعلیم کی درایۃً تکمیل کرنا، اور طلبہ سے تخریج حدیث کی معتدبہ تعداد مکمل کروانے کے ساتھ حفظ حدیث کروانا بظاہر مشکل ہے، بصورت دیگر طلبہ کے دوسرے اہم کام متأثر ہوسکتے ہیں، اس لئے اب تک حفظ حدیث اور تخصص کے طلبہ کے درمیان مسئلہ اختیاری رہا، لیکن ماضی کے سالوں میں ایسے طلبہ بھی آئے ہیں، جنہوں نے ازراہ شوق اپنی طرف سے حفظ حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، اور بہت سی حدیثیں محفوظ کرکے اپنے اساتذہ کو سناتے رہے۔

ادھر ہمارے مدرسہ میں قدیم زمانہ سے ایک نظام یہ چل رہا ہے کہ ہر سال عربی درجات کے طلبہ کے لئے چالیس احادیث کا ذخیرہ منتخب کرکے حفظ کرنے کے لئے ان کو دے دیا جاتا ہے، اوراس کے لئے ان کو ایک معقول وقت بھی دیا جاتا ہے، جس میں درجۂ عربی اول سے دورۂ حدیث تک کے طلبہ حصہ لیتے ہیں، اس کے بعد ان کا امتحان بھی ہوتا ہے، اوراعلی نمبرات سے کامیاب ہونے والے نیز بقیہ تمام مساہمین کو مدرسہ کی طرف سے انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔

اب اس سال تو حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے مشورے سے تخصص کے طلبہ کو وہی چالیس احادیث دے دی گئی ہیں، جن کو وہ حفظ کررہے ہیں، اورسالانہ کے موقع پر ان کا امتحان بھی ہوگا۔

لیکن آئندہ سال سے مستقل حفظ حدیث کو تخصص کے طلبہ کے لئے لازم کردیا جائے گا، وہ کون سی کتاب سے حدیثیں یاد کریں گے، ان کی تعداد کتنی ہوگی، صرف متون یاد کریں گے یا سند کے ساتھ، یہ سارے امور مشورے کے بعد طے ہوں گے۔

(۵) کتابوں کا مطالعہ:

تخصص کے طلبہ کے لئے کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے، اس کی برکت سے ان کے اندر شوق وذوق پیدا ہوتا ہے، اورتحریر کے میدان میں قدم رکھنا بھی آسان ہوجاتا ہے، اس لئے ابتداء ہی سے پورے دن میں ایک گھنٹہ باقاعدہ مطالعہ کے لئے وقف کردی جاتی ہے، جس میں طلبہ مختلف فن اورخاص طور پر فن حدیث اوراس کی انواع سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، اوربعض طلبہ نے اپنے مطالعہ کی روشنی میں کچھ مضامین اورمقالات بھی تحریر کئے ہیں، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، اب تک طلبہ کو مطالعہ کے لئے جن کتابوں کی

نشاندہی کی گئی ہے؛ وہ درج ذیل ہیں:

(۱)دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیہ	عبدالمجید الترکمانی
(۲)منہج دراسۃ الاسانید والحکم علیہا	ولید بن حسن عانی
(۳)مقدمۂ اوجز المسالک	شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ
(۴)تدریب الراوی شرح تقریب النواوی	امام سیوطیؒ
(۵)الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل	علامہ ابوالحسنات لکنویؒ
(۶)مقدمۂ ابن الصلاح	حافظ ابن الصلاح
(۷)حجیت حدیث	مولانا تقی عثمانی مدظلہ
(۸)تدوین حدیث	مناظر حسن گیلانی
(۹)ھدی الساری	حافظ ابن حجر عسقلانی
(۱۰)الاسرائیلیات والموضوعات فی التفسیر	الدکتور ابوشہبہ
(۱۱)منہج النقد فی علوم الحدیث	نورالدین عتر
(۱۲)التقیید والایضاح	حافظ عراقی، زین الدین

کتب خانہ:

اس شعبہ کا کتب خانہ مدرسہ کے عام کتب خانہ سے علیحدہ قائم کیا گیا ہے، اس کتب خانہ میں علم حدیث کی ہر نوع سے متعلق کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے، طلبہ اس سے مکمل فائدہ اٹھاتے ہیں، کتب خانہ کی چابی تخصص کے طلبہ کے حوالہ ہوتی ہے، رات دن کی گھڑیوں میں جب چاہیں استفادہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ کے عام کتب خانہ میں ہر فن سے متعلق ہزاروں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں، تخصص کے طلبہ وہاں سے بھی کتابوں کا مطالعہ کرتے

ہیں، اورکوئی کتاب ان کوزیادہ مفید معلوم ہوتی ہے، تو اپنے کسی استاذ کے نام پر وہاں سے نکال لیتے ہیں، اور بعد مطالعہ جمع بھی کروادیتے ہیں۔

نیز سال کے دوران جب بھی مدرسہ کے عام کتب خانہ اور خصوصا شعبہ کے کتب خانہ کے لئے کتابوں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، تو فوراً دیوبند اور سہارنپور سے منگوائی جاتی ہیں، حسب ضرورت بیروت سے بھی کتابیں منگوائی گئی ہیں، اس طرح ہرسال کتابوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ فللہ الحمد

یہاں شعبہ کی لائبریری میں (تادم تحریر) کتابوں کی موجودہ تعداد تقریباً ۱۵۰۰ر ہیں، جن میں سے بعض اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱)صحاح ستہ (عربی نسخے)	(۲)مؤطا امام مالک علیہ الرحمۃ
(۳)مؤطا امام محمد علیہ الرحمۃ	(۴)سنن دارمی
(۵)سنن دارقطنی	(۶)صحیح ابن خزیمہ
(۷)الاحسان بترتیب ابن حبان	(۸)شرح معانی الآثار
(۹)مستدرک حاکم	(۱۰)مسند احمد
(۱۱)شرح السنہ للبغوی	(۱۲)المراسیل لابی داود
(۱۳)التلخیص الحبیر	(۱۴)المصنف لعبد الرزاق
(۱۵)المصنف لابن ابی شیبہ	(۱۶)المعجم المفہرس
(۱۷)موسوعۃ اطراف الحدیث	(۱۸)عمل الیوم و اللیلۃ
(۱۹)الادب المفرد	(۲۰)المعجم الکبیر
(۲۱)المعجم الاوسط	(۲۲)المعجم الصغیر

(۲۳)مجمع الزوائد ومنبع الفوائد
(۲۴)البحر الزخار
(۲۵)مسند ابی یعلی الموصلی
(۲۶)فتح الباری
(۲۷)شرح مسلم للنووی
(۲۸)شعب الایمان
(۲۹)تحفۃ الاحوذی
(۳۰)مصابیح السنہ
(۳۱)السنن الکبری للبیہقی
(۳۲)خمس رسائل فی علوم الحدیث
(۳۳)فتح المغیث
(۳۴)بذل المجہود
(۳۵)شرح الزرقانی
(۳۶)نیل الاوطار
(۳۷)میزان الاعتدال
(۳۸)الضعفاء الکبیر
(۳۹)البدایہ والنہایہ
(۴۰)الترغیب والترہیب
(۴۱)مرقاۃ المفاتیح
(۴۲)سوالات ابی عبید الآجری
(۴۳)الرسالۃ المستطرفۃ
(۴۴)کشف الظنون
(۴۵)الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ
(۴۶)کتاب المراسیل
(۴۷)ارواء الغلیل
(۴۸)النکت علی ابن الصلاح
(۴۹)الاجوبۃ الفاضلۃ
(۵۰)جمع الفوائد

(۴)اصول وضوابط:

شعبۂ تخصص کے لئے روز اول ہی سے چند مختصر اصول وضوابط باہمی مشورے اور اتفاق رائے سے طے کئے گئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱)مدت تعلیم: اس شعبہ کی مدت تعلیم ایک سال ہوگی۔

(۲)ماہانہ وظیفہ: اس شعبہ میں جن طلبہ کا داخلہ ہوگا، ان کو ماہانہ وظیفہ مبلغ پانچ سو

روپئے ہوں گے۔

(۳) شرائط داخلہ: شعبۂ تخصص میں ان ہی طلبہ کی درخواست منظور ہوگی؛ جو ماضی کے سالوں میں امتیازی اوراعلی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے ہوں گے۔

(۴) اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طلبہ کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی وضع قطع، اور لباس مکمل شرعی ہو، اور عام طلبہ سے ممتاز نظر آتے ہوں۔

(۵) جو طلبہ ہمارے یہاں کے فارغ نہیں ہوں گے، ان کو درخواست داخلہ کے ساتھ سند فراغت، نتائج امتحان سالانہ اور وضع قطع واخلاق درستگی کا سرٹیفکٹ سابقہ مدرسہ کی جانب سے پیش کرنا ضروری ہوگا اور حکومتی شناختی کارڈ بھی ملحق کرنا ہوگا۔

(٦) اس شعبہ میں وہی طلبہ رہیں گے جو امتحان میں کامیاب ہوں گے، اور امتحان تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول: صحیحین سے احادیث پڑھوائی جاتی ہیں، ان کا ترجمہ کروایا جاتا ہے، اور ایک سوال حدیث کی مناسبت باب سے کیا جاتا ہے۔

دوم: اصول کی کتابوں سے مختلف انواع کی تعریفات، مثالیں اور دیگر چیزیں پوچھی جاتی ہیں۔

سوم: کسی بھی موضوع اور عنوان پر عربی زبان میں مختصر مقالہ لکھوایا جاتا ہے، اس کے ذریعہ عربی زبان سے دلچسپی اور مہارت کا پتہ بآسانی چل سکتا ہے۔

(۷) سال میں دو امتحان ہوں گے، پہلا ششماہی کے موقع پر ربیع الاول کے اواخر میں اور دوسرا سالانہ امتحان ماہ شعبان المعظم میں۔

(۸) ہر طالب علم کے لئے پورے سال میں ۱۵۰/ حدیثوں کی تخریج لازم ہوگی، سند کا حصول اس پر موقوف ہوگا۔

فارغینِ شعبۂ تخصص فی الحدیث

اب ذیل میں ان تمام طلبہ کے اسماء لکھے جاتے ہیں، جنہوں نے شعبہ تخصص میں داخلہ لے کر سند فراغت حاصل کی، چوں کہ طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس لئے ہر سال کے طلبہ کو سن کی تعیین کے ساتھ علیحدہ لکھا جائے گا۔

پہلا سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی عبدالرشید بن ابراہیم پٹیل، منوبر، بھروچ، گجرات	۱۴۲۸ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔
(۲) مولوی اشرف بن یعقوب ٹیکریا، بھڑکودرا، بھروچ، گجرات	//

دوسرا سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی طاہر بن سلیمان پٹیل، دشان، بھروچ، گجرات	۱۴۲۹ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔
(۲) مولوی شکیل مدھوبنی، مدھوبنی، بہار	//

تیسرا سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی عبداللہ بن منیر میمن، امراوتی، مہاراشٹر	۱۴۳۰ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔
(۲) مولوی مسعودالرحمن بن ہاشم شیخ، بھروچ، گجرات	//

چوتھا سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی عبداللہ بن محمد صالح جی، لاجپور، سورت، گجرات	۱۴۳۱ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔

(۲) مولوی عمران بن احمد نثار خان، گووَنڈی، ممبئی، مہاراشٹر //

(۳) مولوی محمد ناظم محمد عثمان بیگ، اورنگ آباد، مہاراشٹر //

(۴) شیخ محبوب علی بن جیلانی، چیراله، آندھرا پردیش //

(۵) مولوی سمیع الاسلام بن زبیر علی، ندیا، مغربی بنگال //

(۶) مولوی اسلم بن محمد اسحاق، اورنگ آباد، مہاراشٹر //

پانچواں سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی شعیب بن صادق بھگت، ٹنکاری بندر، بھروچ، گجرات	۱۴۳۲ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔
(۲) مولوی مجاہد بن منور خاں، کاماریڈی، آندھرا پردیش	//
(۳) مولوی توصیف بن موسیٰ پٹیل ممبئی، مہاراشٹر	//
(۴) مولوی جاوید بن یونس پٹیل، بمبوسر، بھروچ، گجرات	//

چھٹا سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی محمد بن اسماعیل پٹیل، بھروچ، گجرات	۱۴۳۳ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔
(۲) مولوی ابرارالحق بن فیض احمد، بورلی مانڈلا، مہاراشٹر	//
(۳) مولوی ریاض بن محمد شفیع شیخ، کپڑونج، گجرات	//
(۴) مولوی عبدالعظیم بن عثمان بیگ، اورنگ آباد، مہاراشٹر	//
(۵) مولوی معین الدین بن محمد ہاشم، اورنگ آباد، مہاراشٹر	//

ساتواں سال

نام مع ولدیت: وضاحت

(۱) مولوی ادریس بن عثمان بادرگڈھ، پالن پور گجرات ۱۴۳۴ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔

(۲) مولوی محمد زبیر بن غوث، اورنگ آباد، مہاراشٹر //

(۳) مولوی یوسف بن نواب حسین، اورنگ آباد، مہاراشٹر //

(۴) مولوی سہیل بن حافظ حسن، آمود، بھروچ، گجرات //

(۵) مولوی توفیق بن عارف، انڈھیری، ممبئی، مہاراشٹر //

آٹھواں سال

نام مع ولدیت: وضاحت

(۱) مولوی عبدالحنان بن محمد شفیع، کرنالا، بناس کانٹھا، گجرات ۱۴۳۵ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔

(۲) مولوی حارث بن حمید نیدریا، ممبئی، مہاراشٹر //

(۳) مولوی فضیل بن مولوی شفیع، ہردیواسنہ، بناس کانٹھا، گجرات //

(۴) مولوی معاذ بن حافظ ابراہیم، کاپودرہ، انکلیشور، بھروچ، گجرات //

(۵) مولوی ذاکر بن عبدالجلیل، میواتی، دونگر گاؤں، مہاراشٹر //

نواں سال

نام مع ولدیت: وضاحت

(۱) مولوی ریاض بن اقبال پٹیل، بھروچ، گجرات ۱۴۳۶ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔

(۲) مولوی عبداللہ بن دین الاسلام ارکان، برما، //

دسواں سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی شعیب بن ایوب پٹیل، دہیگام، بھروچ، گجرات	۱۴۳۷ھ میں نصاب کی تکمیل کی۔
(۲) مولوی منہاج بن عبدالعزیز، پارکھیت، بھروچ، گجرات	//
(۳) مولوی فرحان بن ایوب، کرماڈ، بھروچ، گجرات	//
(۴) مولوی عبدالجبار بن عبدالسلام، امفال، منی پور	//
(۵) مولوی لقمان بن عبدالرشید امفال، منی پور	//
(۶) مولوی رحیم الدین بن حبیب الدین، امفال، منی پور	//
(۷) مولوی توضیح عالم بن نور عالم، موری، منی پور	//
(۸) مولوی تبارک حسین بن عبداللطیف، امفال، منی پور	//
(۹) مولوی شاکر بن محمد اسلام، امفال، منی پور	//

گیارہواں سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱) مولوی ندیم بن احمد، ویراول، گجرات	۱۴۳۸ھ میں نصاب کی تکمیل کی
(۲) مولوی عمار بن یاسین موڈاسا، گجرات	//
(۳) مولوی اظہار الحق انصاری بھاگلپوری، بہار	//
(۴) مولوی شاہد بن عبدالصمد، اندھیری، ممبئی	//
(۵) مولوی دانش بن مظہر الحق انصاری بھاگلپور	//
(۶) مولوی اسماعیل بن نعمت علی، امفال، منی پور	//

(۷)مولوی سعادت حسین بن حافظ ادریس منی پور	//

بارہواں سال

نام مع ولدیت:	وضاحت
(۱)مولوی شہزاد بن مشتاق، آچھودی، بھروچ	۱۴۳۹ھ میں نصاب کی تکمیل کی
(۲)مولوی یامین حافظ الیاس ٹنکاریہ، بھروچ	//
(۳)مولوی شعیب بن ذاکر سید، جھالنہ، مہاراشٹر	//
(۴)مولوی سخاوت بن محمد یوسف علی، باندہ، یوپی	۱۴۳۹ھ میں نصاب کی تکمیل کی
(۵)مولوی خلیل الرحمن بن عبدالخالق کالی گنج، میزورم	//
(۶)مولوی ابوبکر بن محمد مقبول صدیقی، مرشدآباد، مغربی بنگال	//
(۷)مولوی محفوظ الرحمن، باندہ، یوپی	//
(۸)مولوی فاروق بن شاہ جہاں قریشی، رانچی، جھارکھنڈ	//
(۹)مولوی باب الاسلام بن محمد عبدالرحمن، نوکاؤں، آسام	//
(۱۰)مولوی شمیم احمد ابن اسلام الدین انصاری، میگھالیہ	//
(۱۱)مولوی ابراہیم بن احمد شیخ، کاس گنج، یوپی	//
(۱۲)مولوی انواراللہ بن عبدالمنان صدیقی، مغربی بنگال	//
(۱۳)مولوی محمد فرحان بن فیروز	//
(۱۴)مولوی عبدالحق بن آیت اللہ شیخ، باندہ، یوپی	//
(۱۵)مولوی شہادت حسین بن عبدالحکیم، گورکھپور، یوپی	//
(۱۶)مولوی کوثر بن اختر حسین حیدرآباد، سیدآباد	//

ان طلبہ کے اسماء جو سالِ رواں ۱۴۴۰ھ میں نصاب کی تکمیل کررہے ہیں۔

(۱) مولوی حمید الرحمن بن آزاد علی خان، بنگال

(۲) مولوی عطاء الرحمن بن عبد المنان، منی پور

(۳) مولوی معین الدین بن سلیم، نوساری

(۴) مولوی مصطفی بن بشیر، نوساری

(۵) مولوی نور محمد بن یوسف جلال آباد

(۶) مولوی شجر الاسلام بن محمد منیر الاسلام، مغربی بنگال

(۷) مولوی مظہر حسین بن مقبول حسین   //

(۸) مولوی علاء الدین بن عابد علی   //

بعض فارغین تخصص کے علمی کارنامے

(۱) مولانا عبد الرشید بن ابراہیم منوبری (گجرات)

موصوف نے ''دارالعلوم ماٹلی والا'' سے ۱۴۲۷ھ میں سندِ فراغت حاصل کرکے افتاء کیا، اس کے بعد تخصص فی الحدیث میں داخلہ لیا، اور دو سال زیر تعلیم رہے، اور اسی سال ادارے میں تخصص کا آغاز ہوا، موصوف نے نصاب کی تکمیل کے ساتھ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' کی احادیث پر تحقیق وتعلیق کا کام کیا، اور سند ومتن کا دراسۃ کرکے ایک عمدہ کام پیش کیا، اس کی جلد اول طبع ہوچکی ہے، جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے علاوہ موصوف نے اپنے قلم سے بہت سے فقہی مقالات تحریر فرمائے ہیں،

اور فقہ وفتاوی اور مسائل کی تخریج بھی موصوف کے ذمہ ہے، اس وقت ادارے کے اہم شعبہ ''تدریب الافتاء'' میں بحیثیت مدرس خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۲) مولوی عبداللہ بن محمد صالح جی، لاجپور، سورت (گجرات)

موصوف کا تعلق تخصص کے سال چہارم سے ہے، موصوف نے ۱۴۳۰ھ میں مانیکپور ٹکولی (گجرات) سے سندِ فراغت حاصل کر کے تخصص میں داخلہ لیا، اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی، موصوف بھی دو سال زیر تعلیم رہے، اس کے بعد اگلے سال ہی اس شعبہ میں موصوف کا تقرر عمل میں آیا، اور تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی اچھا خاصہ ذوق اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تخصص کے طلبہ سے جن کتابوں کی احادیث پر مشق کا کام کرایا جاتا ہے، موصوف اس پر نظر ثانی اور گہری نظر فرماتے ہیں، اس کے بعد ہی کتاب لائق طبع سمجھی جاتی ہے۔

کتاب ''جهود المراجيح في تخريج احاديث زجاجة المصابيح'' اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ موصوف کے قلم سے چند اہم کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) اخبار آحاد اور ان کی استدلالی حیثیت۔

(۲) اجرائے اصول حدیث۔

(۳) حدیث کے اصول ومصطلحات منہج حنفی کی روشنی میں۔

(۴) امام بخاریؒ کے جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط۔

(۳) مولوی ابرار الحق بن فیض احمد، بورلی مانڈلا، مہاراشٹر۔

موصوف کا تعلق تخصص کے سال ششم سے ہے، موصوف نے ۱۴۳۲ھ میں جامعہ اشرفیہ راندیر سے سند فراغت حاصل کر کے تخصص میں داخلہ لیا، اور اپنی تعلیم کے دوران ڈاکٹر مصطفی سباعی کی مشہور کتاب "السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی" پر کام شروع کیا، اور نہج یہ مقرر کیا کہ اصل کتاب کی ترتیب کو باقی رکھتے ہوئے مختلف عنوان قائم کئے جائیں، اور ہر عنوان کے تحت مصنف کی بات آسان اور سہل انداز میں اردو زبان میں منتقل کی جائے، مقصد یہ تھا کہ پوری کتاب اردو زبان میں مزید وضاحت کے ساتھ پیش کی جائے۔

موصوف کا کام کہاں تک پہنچا؟ موصوف سے رابطہ نہ ہوسکا، اس لئے اس بابت کوئی معلومات درج نہ ہوسکی۔

(۴) مولوی ریاض بن اقبال، کرماڈی، بھروچ (گجرات)

موصوف کا تعلق تخصص کے سالِ نو (۹) سے ہے، موصوف نے ۱۴۳۵ھ میں دارالعلوم ماٹلی والا سے سندِ فراغت حاصل کر کے تخصص میں داخلہ لیا اور نصاب کی تکمیل کی۔

اس کے بعد موصوف نے "امام ابن الجزری" کی مشہور کتاب "حصن حصین" پر کام شروع کیا، یہ کتاب - جیسا کہ مشہور ہے - اذکار نبویہ اور دعاؤں پر مشتمل ایک بہترین اور مقبول کتاب ہے، اس کی احادیث، اذکار اور دعاؤں کی تخریج وتعلیق حاشیہ میں کر رکھی ہے، کتب ستہ، غیر ستہ، کتب اصلیہ، غیر اصلیہ کی مراجعت کے بعد جلد نمبر، صفحہ نمبر، اور رقم الحدیث کے ساتھ ایک بہت عمدہ کام پیش کیا، کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے، موصوف اس وقت "دارالیتامیٰ بھروچ" میں استاذ ہیں۔

(۵) مولوی سعاد حسین بن حافظ ادریس منی پوری

موصوف کا تعلق تخصص کے گیارہویں سال سے ہے، موصوف نے ۱۴۳۸ھ میں دارالعلوم (وقف) دیوبند سے سند فراغت حاصل کرکے تخصص میں داخلہ لیا، اور نصاب کی تکمیل کی، یہاں سے جانے کے بعد انہوں نے اصول حدیث کی تمام کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک نئی کتاب تیار کیا، اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ سب سے پہلے تمام انواع کی تعریفات مختصراً نقل کرکے ہر کتاب کا حوالہ دے دیا، اور ہر نوع کو مثال کے ساتھ واضح کیا، اور درمیان میں آنے والی تمام حدیثوں کی مکمل تخریج کردی، کتاب عربی زبان میں ہے، اور موصوف نے اس کا نام رکھا "علوم الحديث في ثوبه الجديد على شكل سؤال وجواب"، واضح رہے کہ کتاب سوال وجواب کی شکل میں ہے، جیسا کے نام ہی سے ظاہر ہے، کتاب عنقریب چھپ کر منظر عام پر آنے والی ہے۔

(۶) مولوی فاروق بن شاہ جہاں، رانچی، جھارکھنڈ۔

موصوف تخصص کے بارہویں سال سے تعلق رکھتے ہیں، ۱۴۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے بارغ ہوکر تخصص میں داخلہ لیا، موصوف نے نصاب کی تکمیل کے ساتھ تخریج حدیث کے مضامین پر کام کرنا شروع کیا، اور متعلقہ تمام کتابوں کو سامنے رکھ کر ہر مضمون کا خلاصہ اردو زبان میں پیش کیا، کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا مگر شاید ابھی تک طبع نہیں ہوا۔

(۷) مولوی شمیم احمد بن اسلام الدین انصاری، میگھالیہ۔

موصوف نے ۱۴۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر یہاں تخصص میں داخلہ لیا، اور نصاب کی تکمیل کرتے ہوئے ایک بڑا کام یہ کیا کہ اُصول حدیث میں جہاں محدثین اور حنفیہ کا اختلاف ہے، وہاں احناف کے اصول کو علیحدہ کتاب کی شکل میں جمع کیا، اس کام کے لئے حنفی مسلک کے اصول پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، موصوف نے

ان اصول کی کتابوں کی مراجعت کے بعد ایک نئی کتاب تیار کی، جس میں اصول الاحناف کو جمع کر دیا۔

(۸) مولوی ابراہیم بن احمد شیخ کاس گنج، یوپی۔

(۹) مولوی شہادت حسین بن عبدالکریم گورکھپور، یوپی۔

دونوں طالب علم نے ۱۴۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کر کے تخصص میں داخلہ لیا، اور اپنے اسباق کی پابندی اور مطالعہ کے ساتھ ایک مفید اور نافع کام یہ کیا کہ "فن رجال" کی تین مشہور کتابیں یعنی امام ذہبی کی "الکاشف"، حافظ ابن حجر کی "التقریب"، اور خزرجی کی "الخلاصہ" کو ملا کر ایک کتاب کی شکل دے دی، اور اس پر مؤطا محمد اور شرح معانی الآثار کے رجال کا بھی اضافہ کر دیا، لہذا اس کام سے رجال کی ایک بڑی تعداد اس کتاب میں جمع ہوگئی اور حدیث پر حکم لگانے کا مسئلہ بھی آسان ہوگیا، کتاب مکمل ہوچکی ہے۔

مذکورشعبہ کی تحریری کاوشیں اور کتابوں کا تعارف

(۱) فرحة اللبيب بتخريج احاديث نشر الطيب:

"نشر الطیب" کی احادیث کی تخریج اور اس کی تفصیل:

"نشر الطیب" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ حالات زندگی پر مشتمل ایک عمدہ کتاب ہے، گویا اس کتاب کا تعلق سیرت سے ہے، لفظ سیرت اب بطور اصطلاح صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے جملہ حالات کے بیان کے لئے مستعمل ہے، جبکہ کسی اور منتخب شخصیت کے حالات کے لئے لفظ سیرت کا استعمال متروک ہو چکا ہے، بلکہ اب ان کے لئے "حالات" اور "سوانح" کی اصطلاح مستعمل ہے، اب اگر مطالعۂ سیرت جیسے الفاظ کے

ساتھ رسول یا نبی جیسے الفاظ استعمال نہ کریں تو بھی ہر ایک آدمی سمجھ جاتا ہے کہ اس سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت ہے، سیرت رسول پر بہت سی کتابیں ہر صدی میں لکھی گئی اور ہر زبان میں لکھی گئی، انہیں کتابوں میں سے ایک حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتاب ''نشر الطیب'' ہے، جب دار العلوم ماٹلی والا میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کا آغاز ہوا تو استاذ محترم حضرت مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم نے تمرین وتخریج کے لئے اسی کتاب کا انتخاب فرمایا۔

سیرت کی کتابوں میں درج احادیث کی حیثیت:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ سیرت وفضائل کی کتابوں میں احادیث وآثار میں اس طرح توجہ نہ دی گئی جس طرح کتب احکام اور احادیث احکام میں دی گئی ہے، اسی لئے سیرت کی کتابوں میں صحیح وسقیم، ضعیف، مرسل، معضل ہر قسم کی روایت موجود ہوتی ہے، علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں:

ولا یخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ، والمرسل والمنقطع، والمعضل دون الموضوع۔۔۔ وقد قال الامام احمد بن حنبل وغیرہ من الائمۃ: اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا، واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

(السیرۃ الحلبیہ: ص: ۳، ۴، ج: ۱)

علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں: جس طرح امام بخاری ومسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں، مثلا سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں۔ (سیرۃ النبی: حاشیہ نمبر: ۴، ص: ۱۰، ط: مطبعۂ معارف اعظم گڈھ)

تخریج کے دوران پیش آمدہ مشکلات:

(۱) جس وقت مذکور کتاب پر تخریج کا کام شروع ہوا، اس وقت اس سے متعلق کتابیں بہت کم تھی، خاص طور پر سیرت کے موضوع پر بعض اہم مصادر درکار تھے، اس لئے حضرت استاذ محترم نے اس طرف توجہ فرمائی اور بیروت سے بڑی تعداد میں مطلوب کتب منگوائی گئی۔

(۲) مذکور کتاب کی ابتدائی دس فصلوں کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی سے ہے، بلکہ ابتدائی فصلوں میں ولادت اور قبل الولادت کے حالات درج ہے، اسی طرح ولادت کے بعد کے شروع کے کچھ سالوں کے حالات درج ہے اور کسی کے بھی اس دور کے حالات کی طرف عموما توجہ نہیں دی جاتی، اور نہ اسے محفوظ کیا جاتا ہے، چنانچہ ان حالات سے متعلق احادیث وآثار کی تخریج وتحقیق میں کافی دشواری ہوئی، مصادر اصلیہ میں بہت کم روایات ملی، بلکہ شبہ اصلیہ وغیر اصلیہ سے زیادہ تر روایات لی گئی، اسی لئے بعض جگہوں پر "تخریج" (اخرجہ فلان) کے بجائے "ورود" (اوردہ فلان) لکھا ہے۔

(۳) کچھ روایتیں ایسی بھی آئی کہ کسی بھی مصدر میں وہ مل نہ سکی، کئی ماہ تک اس کی تحقیق کی گئی، جیسے پہلی ہی روایت "اول ما خلق اللہ نور نبیک یا جابر" اس میں مواہب کا حوالہ تھا، اور مواہب میں مصنَّف عبدالرزاق کے حوالہ سے ذکر کی گئی تھی، مصنَّف میں جن جن ابواب میں امکان ہوسکتا تھا ان تمام ابواب میں مراجعت کی گئی، اسی طرح دوسری کتابیں بھی دیکھی؛ بالآخر بیروت سے مصنف کی فہرست احادیث وآثار منگوائی گئی لیکن مذکور حدیث نہ مل سکی، کئی ماہ بعد اس حدیث کے مصنَّف میں موجود نہ ہونے پر کافی مواد مل گیا۔

اسی طرح ایک روایت یہ ذکر کی ہے: ''ابن شیخ نے خصائص میں ذکر کیا ہے کہ آپ کا گہوارہ (یعنی جھولا) فرشتوں کی جنبش دینے سے ہلا کرتا تھا۔'' یہ روایت بھی کہیں نہ مل سکی، صرف سیرت کی تین کتابوں میں ملی، اور سند کسی نے ذکر نہیں کی، یہ روایت تلاش کرنے میں بھی بڑی دشواری رہی، اور کئی دنوں تک تلاش کرتا رہا۔

تیسری روایت: ''لڑکپن میں کبھی آپ نے بول و براز کپڑے میں نہیں کیا، بلکہ دونوں کے وقت مقرر تھے، کہ اسی وقت رکھنے والے آپ کو جائے ضرور میں اٹھا کر پیشاب کرا لیتے اور کبھی ستر آپ کا برہنہ نہ ہوتا، اور جو کپڑا اتفاقاً اٹھ جاتا تو فرشتے فوراً ستر چھپا دیتے''۔

یہ روایت تواریخ حبیب الٰہ کے حوالہ سے درج کی ہے، تلاش بسیار کے باوجود کسی کتاب میں اس روایت تک میری رسائی نہ ہو سکی۔

(۴) بعض روایات کی اسانید میں بھی کچھ رجال کے تراجم تلاش کرنے میں دشواری رہی، مثلاً آٹھویں فصل کی روایت نمبر دو کی سند میں تین رجال کا ترجمہ تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

(۵) حدیث تلاش کرنے کے اعتبار سے بھی بعض مرتبہ دشواری رہی، اس لئے کہ المعجم المفہرس میں صرف ۹ کتابوں کی احادیث تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے، البتہ اس کتاب میں جامعیت ہے اور احادیث کا احاطہ بہت اچھے انداز میں ہوا ہے، جیسا کہ ذکر کیا ہے: ۹ کتابوں کی احادیث کی فہرست ہے اور ۸ ضخیم جلدوں میں یہ کام پھیلا ہوا ہے، لیکن سیرت سے متعلق بہت سی روایات اس معجم میں تلاش کرنا مشکل کام تھا۔

اس کے برخلاف موسوعۃ اطراف الحدیث میں ۱۵۰ر کتابوں کی احادیث کے

اطراف ہے، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ اتنا بڑا کام اکیڈمی کا ہے، جو ایک آدمی نے انجام دیا، اس لئے ان کی کاوش قابل ستائش ہے، لیکن اتنی بڑی تعداد میں کتابوں کی احادیث کے اطراف ۱۱/جلدوں میں ہی آگئے ہیں، کام بہت شاندار ہے؛ لیکن میری ناقص رائے کے مطابق تمام کتابوں کی احادیث کا خاطر خواہ احاطہ نہیں ہوسکا ہے، اس لئے سیرت کی بعض روایات موسوعہ میں بھی نہ مل سکی، بالآخر بعض اہم مصادر میں اور اہم مواقع میں تلاش کرنے کے لئے مراجعت کی ضرورت پڑتی رہی۔

(۶) شروع میں گذر چکا ہے کہ یہ کتاب حضرت تھانوی جیسی قدآور شخصیت کی تحریر کردہ ہے، اس لئے سب سے پہلی روایت (حدیث نور نبی) پر حکم لگانے میں بہت کشمکش رہی، اس لئے کتاب کی تمام روایات پر کام مکمل ہونے کے بعد سب سے اخیر میں اس روایت پر حکم اور خلاصہ لکھا گیا، اس طویل مدت میں ''حدیث نور نبی'' سے متعلق مواد تلاش کرتا رہا اور حوالہ جات جمع کرتا رہا، اور سب سے آخر میں اس پر خلاصہ لکھا گیا۔

نشر الطیب کی احادیث کی تخریج مکمل ہونے پر پہلی جلد منظر عام پر آرہی تھی، اس وقت دارالعلوم ماٹلی والا کے پہلے شیخ الحدیث صاحبؒ نے درج ذیل کلمات بابرکت تحریر فرما کر ہمت وحوصلہ بڑھایا، ان کی تحریر یہاں درج کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں:

''۔۔۔۔۔۔۔۔میں سعادت مند ہوں کہ انہیں (حضرت تھانوی کی) کتابوں میں سے ایک کتاب ''نشر الطیب'' پر کچھ سطور قلمبند کررہا ہوں۔

حقیقت میں یہ رسالہ آپ ﷺ کی عادات اور سیرت فاضلہ پر مشتمل ہے اور بہت سی کتابوں میں آپ کی عادات کو ذکر کیا گیا ہے اور بہت سے علماء محققین نے اس کو بیان کیا ہے، لیکن قاری کو اردو علمی ذخیرہ میں سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے جو قلبی لذت اور

روحانی وایمانی حلاوت کا شعور واحساس ہوتا ہے وہ سیرت کے علاوہ دوسری کتابوں میں محسوس نہیں ہوتا، اوراس وجہ سے اس کتاب کی بہت سی خصوصیات ہے جس کو بڑے بڑے علماء ومحدثین نے ذکر کیا ہے۔

اور جس شخص کو بھی احادیث نبویہ کے ساتھ معمولی ممارست ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ وہ احادیث جو کسی کتاب میں ذکر کی گئی ہو یا حدیث کے کسی ٹکڑے یا جزو کو ذکر کیا گیا؛ ہوان کے مصادر ومراجع اوران کے مآخذ پر مطلع ہونا اوراس کی جستجو کرنا، اسی طرح اس کے متعلق بحث کرنا بہت مشکل امر ہے، اورحضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت سی جگہوں پر مکمل حدیث کو ذکر نہیں کیا؛ بلکہ حدیث کے کسی جزو یا ٹکڑے کو- جو اس جگہ کے مناسب ہو- ذکر کردیا ہے، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ جامعہ اسلامیہ ماٹلی والا کے مہتمم حضرت مولانا اقبال صاحب حفظہ اللہ ورعاہ نے اس مشکل امر کو آسان کیا اور ''نشرالطیب فی ذکر النبی الحبیب'' کی احادیث کے مصادر ومراجع کو ذکر کیا، اورموجودہ زمانہ میں یہ طریقہ (تخریج احادیث) اصحاب علم وعمل کے درمیان مروج ہوچکا ہے، درحقیقت حضرت مولانا اقبال صاحب نے بہت ہی دقت نظر اور مسلسل جدوجہد کرکے نشرالطیب کی احادیث کی تخریج کی ہے اوروہ اپنی اس محنت اوراس کام پر قابل مبارک باد ہے۔''

حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ ساتھ محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کے شاگرد، نواسے اور تربیت یافتہ، حضرت مولانا ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اعظمی نے بھی اس کتاب کی اشاعت کے موقع پر تشجیعی کلمات تحریر فرمائے، جو درج ذیل ہے:

''حضرت علامہ مفسر فقیہ شیخ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نشرالطیب

فی ذکر النبی الحبیب'' اردو زبان میں سیرت النبی کے موضوع پر ایک اہم کتاب ہے، قدر ومرتبہ میں عظیم کتاب ہے اور اختصار کے باوجود اس کتاب کا اسلوب اور دقت تعبیر میں پختگی کی وجہ سے اور بیان وزبان میں سلالت کی وجہ سے ممتاز مقام ہے، اور چونکہ اس کتاب کے مصنف علام کو علم ومعرفت میں قدم راسخ اور ید طولی حاصل تھا، اور اصلاح وتربیت کے میدان میں غیر معمولی خدمات انجام دی ہے، یہ تمام چیزیں کتاب کی خصوصیات ہیں، اور اصلاح وافادہ میں مصنف کی مسلسل خدمات نے آپ کو اس بلند مقام پر فائز کر دیا ہے اور اس فن کی تصنیفات میں آپ کا فائق وممتاز مقام ہے۔

لیکن مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں احادیث وروایات کو اس کے مخرج وموارد کی جانب منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور روایت کے پہلے راوی صحابی یا غیر صحابی کا نام ذکر کیا ہے، لیکن روایت کی مکمل سند اور فنی تخریج کو ذکر نہیں کیا ہے، چونکہ یہ ایک امر طبیعی ہے اور مصنف رحمہ اللہ نے اختصار وتلخیص کے پیش نظر فنی تخریج کو ذکر نہیں کیا تھا۔

قابل مبارک باد ہے دارالعلوم ماٹلی والا بھرچ، کہ اس ادارہ نے اس قیمتی کتاب کی احادیث کی تخریج کی ضرورت کو محسوس کیا اور احادیث میں بحث وتحقیق کے اعتبار سے دراسہ کی ضرورت بھی محسوس کی اور اپنے اہم علمی وفنی کام کاج کے لئے شعبہ تخصص فی الحدیث قائم کیا اور برادر محترم مولانا عبدالرشید صاحب منوبری فاضل دارالعلوم ماٹلی والا نے اس کتاب کی تخریج کا کام انجام دیا۔

اور میں نے برادر محترم مولانا عبدالرشید صاحب کے اس کتاب کی ترتیب وتہذیب کے عمل کو دیکھا تو میں نے ان کو بحث وتحقیق میں محنتی اور جید الاستعداد پایا، موصوف نے حسب استطاعت کتاب کی احادیث کی تحقیق وتخریج میں اور اصل کتابوں تک مراجعت

کرنے میں محنت وکوشش کی، اور امید ہے کہ ان کی یہ پہلی کاوش علمی کاموں میں قبولیت کا سبب ہوگی، اور ان کی یہ کوشش ان کے روشن مستقبل کے لئے پہلا ثمر آور بیج ثابت ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالی)''

(۲) جھود المراجح فی تخریج احادیث زجاجة المصابیح

تمام اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے؛ جہاں کتاب اللہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ استناد کے اعلی ترین مقام پر ہے، وہیں حدیث کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ وہ قرآن مجید کا بیان وتفسیر ہے، اسی اہمیت کی وجہ سے اسے ہر عہد کے اصحاب نظر علماء کی خصوصی توجہ حاصل رہی ہے؛ اور دوسری صدی سے لے کر موجودہ صدی تک کوئی عہد ایسا نہیں گذرا جس میں حدیث کے مختلف پہلوؤں پر تصنیفات وتحقیقات منظر عام پر نہ آئی ہو۔

لیکن اس سلسلہ میں ایک بات یہ ہوئی کہ حدیث کی پر رونق مجلس سے ایک ایسی عظیم مؤقر جماعت کو باہر کر دیا گیا جن کی حدیثی گرانقدر خدمات کسی طرح بھی نظر انداز کئے جانے کی مستحق نہ تھی، یہ بڑی ناگوار بات ہے کہ محدثین احناف کو وہ مقام نہ دیا گیا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے، بلکہ بعض معترضین کی طرف سے مذہب حنفی کے خلاف بے تحقیق وغیر مناسب حملے مسلسل ہوتے رہے، اور امام ابوحنیفہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ قلیل الحدیث تھے یا آپ کے پاس کل سترہ احادیث تھیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشرق ومغرب میں مقبول کتب حدیث کے مصنفین حنفی المذہب نہ تھے، جس کی بناء پر ان کی کتابوں میں حنفی مذہب کی کما حقہ رعایت نہ ہوسکی، اس لئے علماء حنفیہ ایسے مجموعۂ احادیث کی ضرورت محسوس کر رہے تھے؛

جس میں حنفی مسلک کے حدیث کے مطابق ہونے کے دلائل فراہم کئے گئے ہوں اور یہ سمجھایا گیا ہو کہ فقہ حنفی کی اساس بھی قرآن وحدیث ہی ہے، اور اس مجموعہ میں احناف کا عمل حدیث کے مطابق ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ تیرہویں صدی کے نامور عالم مولانا سید عبداللہ بن مولانا السید مظفر حسین حیدر آبادی نے ''زجاجة المصابيح'' نامی کتاب تصنیف فرما کر مذکور ضرورت کی تکمیل فرمائی، دوسرے لفظوں میں حنفیہ کے ذمہ جو قرض صدیوں سے چلا آرہا تھا اسے اداء کرنے کی سعی فرمائی۔

وجہ تالیف: اس کتاب کی وجہ تالیف خود مصنف کی زبانی سنتے ہیں، مصنف علام فرماتے ہیں ''کہ مشکوۃ شریف احادیث نبویہ میں ایک جامع ونافع کتاب ہے لیکن صاحب مشکوۃ کے شافعی المسلک ہونے کی بناء پر میرے دل میں یہ خیال بار بار انگڑائی لیتا تھا کہ میں مشکوۃ کے طرز پر ہی ایک ایسی (کتاب) تالیف کروں جس میں حنفی مسلک کی رعایت ہو''۔

اس کتاب میں تمام مضامین کو پانچ ضخیم جلدوں میں جمع کئے ہیں، جس میں سے پہلی جلد کتاب الایمان سے کتاب البیوع کے ابواب پر محیط ہے، دوسری جلد کتاب فضائل القرآن سے کتاب العتق کے ابواب النذور پر حاوی ہے، تیسری جلد کتاب القصاص سے کتاب الرویا کے ابواب کو شامل ہے، اور چوتھی جلد کتاب الآداب سے کتاب الفتن کے باب بدء الخلق کے ابواب کو گھیرے ہوئے ہے، اور پانچویں جلد کا آغاز باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے اور باب ثواب هذه الأمة پر مذکور کتاب کا اختتام ہوا ہے۔

زجاجة المصابیح ماضی قریب کے محدثین کی نظر میں:

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے عرب وعجم کے اہل علم کے درمیان مقبولیت حاصل کرلی ہے چنانچہ:

خاتمۃ المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ: فن حدیث میں تالیف شدہ کتابوں میں یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ اس کتاب کے متعلق رقمطراز ہیں کہ: گراں قدر منفعتوں میں سے ایک منفعت یہ بھی حاصل ہوئی کہ زجاجۃ المصابیح کی جلد اول دستیاب ہوئی جس کی وجہ سے میری بصر اور بصیرت دونوں روشن ہوگئی۔

اس کتاب کی اہمیت کو بھانپ کر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے یہ فرمایا کہ: کیا اچھا ہو کہ مدارس دینیہ میں مشکوۃ کے ساتھ ساتھ یا اس کی جگہ زجاجۃ المصابیح بھی رائج ہوجائے؛ تاکہ طلبہ کے سامنے مذہب حنفی کے حدیثی مسلک ہونے کی شہادتیں نفس کتاب ونصاب سے مہیا ہوسکے۔

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے اس کتاب کی اہمیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ: حدیث کے محل میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی، اس کی شیخ ابوالحسنات نے تکمیل فرمائی۔"

(زجاجۃ المصابیح:۱/ص:۵)

محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث کی درسی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ''مشکوۃ المصابیح'' ہے، کچھ شبہہ نہیں کہ یہ کتاب جامعیت اور استناد کے لحاظ سے تقریباً بے نظیر ہے، اور اس بنا پر جو پذیرائی اس کو حاصل ہوئی ہے، وہ بجا طور پر اس کی مستحق ہے، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں مسلم آبادی کی غالب اکثریت کا فقہی مسلک حنفی ہے اور ''مشکوۃ'' کے مصنف شافعی المذہب ہیں، اور انھوں نے فقہی ابواب میں زیادہ تر انہیں حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن سے شافعی فقہ مرتب ہوتی ہے، اس لئے ہندوستانی مدارس کا ایک طالب علم جب پہلی دفعہ حدیث کا درس لینا شروع کرتا ہے اور ابواب فقہ میں زیادہ تر اس کو شافعی مذہب کی مؤید

حدیثیں ملتی ہیں، تو قدرتی طور پر اس کے ذہن پر یہ اثر پڑتا ہے کہ شاید حنفی مسلک کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، اور اس خیال کو اس پروپیگنڈے سے مزید تقویت حاصل ہوتی ہے، جو ہندوستان میں بعض مذہبی حلقوں کی طرف سے مسلسل ہوتا رہتا ہے، حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے اور حنفی مسلک کی بنیاد بھی دوسرے مسالک فقہیہ کی طرح کتاب اللہ کے بعد تمام تر حدیث وسنت ہی پر ہے۔

اس لیے ہندوستان کے علماء کو ایک مدت سے اس ضرورت کا شدید احساس تھا کہ حدیث کا کوئی ایسا مستند مجموعہ مرتب ہونا چاہیے، جس میں حنفی مذہب کی مؤید حدیثیں یکجا کی جائیں، اور وہ مجموعہ ''مشکوۃ'' کی جگہ یا ''مشکوۃ کے بعد داخل درس ہو۔

مطلوبہ نوعیت کا ایک مجموعہ مرتب کرنے کی آخری کوشش مولانا ابوالحسنات محمد عبداللہ شاہ حیدرآبادی نے کی، اور بالکل ''مشکوۃ'' کے ڈھنگ پر ''زجاجۃ المصابیح'' نام کی ایک کتاب چار جلدوں میں تصنیف فرمائی ہے۔

میرے نزدیک اس کی نوعیت درسی کتاب کی ہے، اور اس مقصد کے لئے وہ بہت مناسب ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اختلافی مسائل میں احادیث کے انتخاب کے وقت مزید تدقیق نظر سے کام کرنے کی ضرورت تھی، اور اس قسم کی احادیث پر حواشی، محدثانہ نقطۂ نظر سے لکھے جانے چاہئے تھے، نیز اس کا التزام کیا جاتا تو اچھا ہوتا کہ اپنے دلائل کی اسانید پر مخالفین نے جو اعتراضات کیے ہیں، ان کے مختصر جوابات حواشی میں دے دیئے جائیں، اور مخالفین کے دلائل میں جو واقعی کمزوریاں ہوں، ان کی طرف بھی اختصار کے ساتھ اشارہ کر دیا جائے۔

مثال کے طور پر عرض کروں کہ ''زجاجۃ المصابیح'' جلداول صفحہ ۳۹۲ میں دارقطنی سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے: عن أنس قال: دخل رجل المسجد ورسول الله ﷺ يخطب، فقال له النبي ﷺ: قم فاركع ركعتين وأمسك عن الخطبة حتى فرغ من صلاته۔

اس پر دارطقنی نے اعتراض کردیا ہے کہ اس کو سنداً روایت کرنا عبید بن محمد کا وہم ہے، دراصل یہ روایت مرسل ہے اوراس دعوے کے ثبوت میں دارقطنی نے دوروایت نقل کی ہے جس کو مصنف نے مفصلا اس کے بعد لکھا ہے۔

یہاں پر حاشیہ میں دارقطنی کا اعتراض نقل کر کے جواب دینے کی ضرورت تھی۔

اسی طرح اس صفحہ میں محمد بن قیس کی جو روایت نقل کی گئی ہے، اس پر بھی دارقطنی نے اعتراض کیا ہے، حاشیہ میں اس پر توجہ کرنی چاہئے تھی۔

یا مثلاً صفحہ ۳۶۶ میں مصنف نے لکھا ہے: وفي رواية للبيهقي وعلى عهد عثمان وعلي مثله۔ اس پر خود علامہ نیموی نے تعلیق آثار السنن میں کلام کردیا ہے، لہذا یا تو نیموی کا جواب دینا چاہئے تھا، ورنہ اس حصہ کو حذف کردینا مناسب ہے۔

نیز جس حدیث کے لیے کسی غیر مطبوعہ کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، وہاں یہ ظاہر کردینا بھی مناسب ہے کہ یہ حوالہ کس نے دیا ہے۔

ان چند باتوں سے غض بصر کرنے کے بعد مجموعی حیثیت سے مصنف کی محنت لائق صدستائش ہے اوران کی یہ تصنیف اس قابل ہے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے۔

(مقالات ابوالمآثر: ص: ۲۷۰-۲۷۳، ج: ۳)

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں: مولانا عبداللہ محدث دکن کی

"زجاجة المصابیح" حنفی نقطۂ نظر سے احکام حدیث کا ایسا جامع اور دقیق مجموعہ ہے جن کی عالم اسلام کے علماء نے بھی داد دی ہے۔ (بحث ونظر: جمادی الاولی، شوال ۱۴۳۳ھ)

مصنف کا منہج اور طریقہ کار:

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ کتاب کی مقبولیت میں کتاب کے خصائص کا بھی بڑا دخل ہے؛ یوں تو اس کے خصائص بہت زیادہ ہیں؛ لیکن طوالت کے خوف سے ان میں سے بعض کے بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

(۱) مصنف علام نے امام بخاری کا منہج اختیار کرتے ہوئے ہر کتاب اور باب کا آغاز آیات قرآنیہ سے فرمایا ہے۔

(۲) تمام احادیث کے مصادر و مآخذ کی تعیین فرمائی ہے؛ نیز روایات ضعیفہ بہت ہی کم ہے، لیکن وہ بھی وہ ضعیف روایات ہیں جو متابعات وشواہد کی بنا پر حسن تک پہنچ چکی ہے۔

(۳) مصنف آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ کے پیش کرنے کے بعد بعض مرتبہ اقوال فقہاء بھی ذکر فرماتے ہیں، اور احناف کے مذہب کو دلائل سے مدلل کرتے ہوئے وجوہ ترجیح بھی ذکر فرماتے ہیں، پھر دیگر احادیث و آثار صحیحہ اور اقوال قویہ سے مزید تائید پیش فرماتے ہیں، صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ نصوص اور مذاہب کے اصول پر محاکمہ بھی قائم فرماتے ہیں۔

(۴) آپ ائمہ کے مختلف اقوال میں سے اس قول کو نقل فرماتے ہیں جو علماء کے نزدیک مفتی بہ ہو۔

باوجود اس کے کہ کتاب اپنے تمام ممتاز خصائص کو جامع ہونے کے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کتاب کی احادیث کی تخریج ہو، تاکہ حدیث کے متعدد اسانید وطرق پر واقفیت

حاصل ہو، جس کے نتیجہ میں سند کے احوال واضح طور پر سامنے آجائے اور لگے ہاتھ یہ بھی معلوم ہوجائے کہ حنفیہ کی استدلال میں پیش کردہ احادیث کس درجہ کی ہے؟ جیسا کہ متقدمین نے بھی اپنی نوک قلم کو ان مقاصد کی بنا پر کتب تخاریج کی طرف موڑا، چنانچہ امام زیلعی نے فقہ حنفی کی معروف ومشہور کتاب ہدایہ کی تخریج کے لئے ''نصب الراية'' تالیف فرمائی اور یہ سلسلہ مرور زمانہ کے ساتھ مختلف جامعات میں انفرادی واجتماعی طور پر چلتا رہا۔

بہر حال اس سلسلہ کو باقی رکھنے کے لئے اور اس ضرورت کے احساس کو پورا کرنے کے لئے فخر گجرات حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش وتمنی تھی کہ ''زجاجة المصابيح'' کی احادیث کی تخریج عمل میں آئے، چنانچہ خود حضرت والا ہی نے اس عمل کی طرف توجہ مبذول فرمائی، جس کے نتیجہ میں طلبۂ تخصص فی الحدیث نے اس کی پانچوں جلدوں پر تخریج احادیث کا کام انجام دیا؛ لیکن ضرورت تھی کہ اس کو مرتب ومحقق کیا جائے، چنانچہ حضرت مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا) کی زیر نگرانی دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے ذمہ دار استاذ حضرت مولانا ارشد پالن پوری اور حضرت مولانا عبداللہ لاجپوری دامت برکاتہم نے اس کتاب کو تحقیق وتعلیق سے آراستہ فرما کر مفکر ملت فخر گجرات حضرت کاپودروی صاحبؒ کی خواہش وتمنی کی تکمیل فرمائی۔ اور اس کا نام ''جهود المراجيح في تخريج أحاديث زجاجة المصابيح'' رکھا۔

حضرت مفکر ملت نے صرف توجہ ہی مبذول نہ فرمائی؛ بلکہ پہلی جلد مکمل ہونے پر تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کام کرنے والے طلبۂ عزیز اور اساتذۂ کرام کی حوصلہ افزائی کی، جو ذیل میں درج کی جارہی ہے:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ نویں صدی ہجری سے لے کر آج تک علمائے گجرات کی علوم حدیث کی نشر واشاعت میں بڑی خدمات رہی ہیں، جن حضرات نے اس سرزمین کی علمی آب یاری کی ان میں سے چند حضرات بطور نمونہ یہ ہیں: امام سخاویؒ کے شاگرد شیخ راجح بن داود، صاحب مجمع بحار الانوار علامہ محمد بن طاہر پٹنیؒ، صاحب نور القاری شیخ نورالدین احمد آبادی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے استاذ شیخ عبدالوہاب بھروچی، شیخ خیرالدین سورتی جن سے علامہ زبیدی نے اجازت حدیث حاصل کی تھی، اور شیخ عبدالمعطی حضرمی سورتی وغیرہم رحمہم اللہ۔

پورے عالم اسلام میں کتب حدیث کی تصانیف نیز ان کی مقبول شروحات کی ترتیب وتالیف میں علمائے ہند کا خاص مقام اور وافر حصہ ہے، ان کتابوں میں سے ایک کتاب شیخ ابوالحسنات عبداللہ بن مولانا سید مظفر حسین حیدرآبادیؒ (م: ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۴ء) کی زجاجۃ المصابیح ہے، جو خطیب تبریزی کی مشکوۃ المصابیح کے طرز پر ہے اور بغیر تخریج وتعلیق کے پانچ جلدوں میں طبع بھی ہوچکی ہے، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کتاب میں موجود احادیث کی تخریج کے ساتھ ساتھ صاف اور عصر حاضر کے مطابق نئے طریقے پر اس کی طباعت ہو، اس لیے کہ یہ کتاب بڑی نافع اور جامع ہے، جس میں مصنفؒ نے ائمہ احناف کے حدیثی مستدلات کو جمع فرمایا ہے اور ان لوگوں کو جواب دیا ہے جن کا گومان یہ ہے کہ احناف رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں، اس لیے کہ ان کے پاس حدیثی دلائل نہیں ہیں۔

عرصۂ دراز سے میری دلی خواہش تھی کہ کوئی عالم اس بڑے کام کا بیڑا اٹھائے اور اس کتاب پر تحقیق اور تخریج کا کام کرے، اور پھر حدیث کے اسلوب پر اس کتاب کی

طباعت ہو؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور بلادعربیہ وغیرہ میں درس حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا آسان ہوجائے۔

اس دلی تمنا کی تکمیل کا سبب اس طرح ہوا کہ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا ضلع بھروچ میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کی بنیاد ڈالی گئی؛ جس کے بارے میں مجھے علم ہوا، چناں چہ میں نے اس ادارہ کے مہتمم وناظم حضرت مولانا محمد اقبال صاحب ٹنکاروی حفظہ اللہ سے درخواست کی کہ اس شعبہ کے طلبہ سے اس کتاب (زجاجۃ المصابیح) کی تخریج وتحقیق کا کام کرایا جائے، بحمداللہ حضرت مولانا نے بڑی قدردانی کے ساتھ اس درخواست کو قبول فرمالیا اور اس کام کو تکمیل تک پہونچانے کے لیے بڑا اہتمام کیا، اللہ ان کو ہماری اور تمام اہل علم کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

پس اس کام کے لیے مولانا ارشد صاحب فلاحی پالنپوری، مولانا فرقان صاحب فلاحی اور مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری اور درجۂ تخصص فی الحدیث کے دیگر رفقاء تیار ہوگئے؛ تاکہ اس کتاب کی احادیث کی تخریج اچھے انداز میں ہو اور ساتھ ساتھ صحت وضعف کے اعتبار سے حکم بھی لگایا جائے، ان حضرات نے اپنی کاوشوں اور محنتوں کا پھل حدیث شریف کے ماہرین جیسے شیخ محقق محدث تقی الدین ندوی اور شیخ محقق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہما اللہ کو دکھایا، چناں چہ انہوں نے اس کام کو سراہا اور مفید مشوروں اور رہنمائیوں سے بھی نوازا، اللہ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

اخیرا ہم اللہ سے دعاء کرتے ہیں کہ اس کام کو قبول فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے قیامت کے دن ان کے اچھے کاموں میں شمار فرمائے، اور اللہ تعالی ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے، وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔"

الحمدللہ اس کی اب تک دو جلدیں منظر عام پر آ چکی ہے، جلد اول کتاب الایمان سے کتاب العلم تک ہے اور دوسری جلد کتاب الطہارت اور کتاب الصلاۃ کے کچھ ابواب کی احادیث کی تخریج پر مشتمل ہے، (تیسری جلد، جلد ہی منظر عام پر آ رہی ہے ان شاءاللہ تعالی)

خطۂ عمل:

سید ابوالحسنات شاہ ابن شیخ مظفر حسین معروف بہ محدث دکن حیدرآبادی کی تالیف ''زجاجۃ المصابیح'' پر ابھی تک تحقیقی کام نہ ہوا تھا، مفکر گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ کے ایماء پر اس کتاب پر تحقیق وتخریج کا کام شروع ہوا، اس کی پہلی جلد ''کتاب الایمان'' تا ''کتاب العلم'' کی احادیث پر تخریج، تحقیق وتعلیق پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب ۵۷۴ صفحات، ۲ کتاب (ایمان وعلم) پر مشتمل ہے، اس کتاب کی ابتدائی تخریج احادیث کا تمرینی کام شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ نے انجام دیا، اس کے بعد مزید تنقیح، تحقیق اور تہذیب اوپر ذکر کردہ دوحضرات نے کی، اس کتاب میں تحقیق کا خُطۂ عمل درج ذیل ہے:

- تخریج حدیث میں بہت ہی زیادہ اختصار کو ملحوظ رکھا ہے، اکثر وبیشتر صحاح ستہ پر اکتفاء کیا ہے، اور ضرورت کے وقت مسند احمد، صحاح ثلاثہ: ابن خزیمہ، ابن حبان اور مستدرک حاکم کی طرف مراجعت کی ہے۔
- صاحب زجاجۃ المصابیح بعض مرتبہ کتب ستہ کے علاوہ کسی اور کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، جب کہ حدیث کتب ستہ میں موجود ہے، ایسے مواقع پر سب سے پہلے کتب ستہ سے تخریج کی گئی ہے، اس کے بعد مؤلف کے حوالہ کی۔
- حتی الوسع تخریج حدیث میں ملتقی الاسانید کی تعیین کا اہتمام کیا ہے۔

• نقل احکام کے سلسلہ میں علماء متقدمین اور حفاظ سابقین کے قول کو ترجیح دی ہے، مثلاً امام ترمذی، امام حاکم، اور ذہبی کی موافقت، نیز حافظ ابن حجر کا قول فتح الباری اور تلخیص الحبیر سے لیا گیا ہے۔

• جب اسناد میں کسی رجل مبہم یا راویٔ متکلم فیہ پایا گیا ہے، تو مختصراً اس کا ترجمہ اور اقوال جرح وتعدیل ذکر کردیا ہے۔

• حدیث میں کوئی لفظ ایسا ہو جس کی شرح وتفسیر کی ضرورت ہو تو اس وقت اقوال محدثین وشارحین سے اس کی وضاحت کی ہے۔

• غرائب الحدیث کے لئے اکثر ''مجمع بحارالانوار'' سے استفادہ کیا گیا ہے اور کبھی ''لسان العرب'' ابن منظور الافریقی سے بھی استفادہ کیا ہے۔

• رقم الحدیث کو دو قسموں میں منقسم کیا ہے، ایک رقم مسلسل، دوسرا رقم الحدیث فی الباب، اس طرح آیات قرآنیہ کو بھی حوالہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

• متن میں تحفۃ الاشراف اور مشکوۃ المصابیح کے رقم الحدیث کو ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، تاکہ مؤلف کی ذکر کردہ حدیث کی مراجعت آسان ہو۔

• مؤلفؒ نے مذاہب فقہاء بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا ہے، اس کتاب میں حتی الوسع کتب معتبرہ سے مذاہب فقہاء مختصراً ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے، تاکہ قاری کو اثنائے قراءت دوسری کتب کی مراجعت نہ کرنی پڑے۔

• نیز صاحب زجاجۃ المصابیح کی تعلیقات سے بھی استفادہ کیا ہے، ''قال المؤلف'' کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی تشجیعی کلمات تحریر

فرمائے،ہم یہاں ان کلمات کودرج کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں:

''بلادہند میں مشہورنئی کتابوں میں سے ایک کتاب''زجاجۃ المصابیح'' ہے جومشکوۃ المصابیح کے طرز پر ہے،جس کو عالم وماہرفن،مشہورصوفی شیخ عبداللہ شاہ''محدث دکن'' نے تالیف کی ہے،اورانہوں نے مشکوٰہ المصابیح کی طرح مختصرحوالہ جات پراکتفا کیاہے،اس لئے ضرورت متقاضی ہوئی کہ اس کی احادیث کی تخریج کرکے ان کے طرق کوایک جگہ جمع کردیا جائے؛تاکہ موجودہ زمانہ میں جومشہور ہے کہ فقہ حنفی میں احادیث نبویہ کوکما حقہ اہمیت نہیں دی جاتی ہے اس کی حقیقت واشگاف ہوجائے۔

میں جامعہ اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ کے تمام ارکان کومبارک باددیتا ہوں؛ خصوصاًمدیرجامعہ مفتی اقبال محمدٹنکاروی کو،اورمیں اس قابل قدرکوشش کوسراہتاہوں کہ انہوں نے اس اہم کام کوانجام دیا،اوراب یہ بڑا اعالی شان سفرطباعت کے مرحلہ پرپہنچ کرمکمل ہورہا ہے،کتاب میں ذکرکردہ احادیث کی تخریج مختلف طرق سے کی گئی ہے اورمصنف کے درج کردہ حوالوں کےعلاوہ دیگرمصادر سےبھی تخریج کی گئی ہے،چاہےاحادیث کےالفاظ متحدہو یامختلف،اور چاہےدوسری احادیث کےراوی بعینہ پہلی کےراوی ہوں یادوسرے ہوں،نیز احادیث پرصحیح اورضعیف ہونے کاحکم بھی ذکرکیاہے،نیزمجروح راویوں کے بارے میں اسماء الرجال کے ماہرین کےاقوال بھی ذکر کئے ہیں،خلاصہ یہ ہے کہ مذکورکتاب ان احادیث کےتمام پہلوؤں کومتضمن ہےجن احادیث کاذکر''زجاجۃ المصابیح''میں ہے۔

اورمبارک بادی کے قابل ہیں مولانا محمدفرقان فلاحی،مولانا عبداللہ لاجپوری اور مولانا ارشدفلاحی،پالنپوری:- زادھم اللہ علما نافعا وعملا صالحا مقبولا - کہ انہوں نے اس کتاب کوجاذبِ نظر جوڑا پہنا کرمہذب بنانے اوراس کی احادیث کی تخریج میں

انتہائی محنت کی ہے۔

میں اللہ رب العزت - جو عرش عظیم کا رب ہے - سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس بابرکت علمی کام کو قبول فرما کر تمام لوگوں کے لئے نفع اور افادہ کا ذریعہ بنائے، اور اللہ ہی سب کاموں کی توفیق دیتے ہیں اور ہر کام میں اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔''

(۳) امام بخاری کا طریقۂ استدلال واستنباط فقہ، اصول فقہ ومقاصد شریعت کے تناظر میں۔

دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کی الحمدللہ یہ سعادت وخوش نصیبی رہی کہ اس کو حدیث شریف کی اعلیٰ تعلیم کے لئے چالیس سال تک ایک ہی شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالحسن علی قاسمیؒ کی سرپرستی حاصل رہی، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے چالیس سال (تادم حیات) بخاری شریف کی تدریسی ذمہ داری کو سعادت سمجھ کر بہت محنت، لگن اور وقت کی پابندی کے ساتھ نبھایا، زندگی کے آخری سالوں میں طبعی کمزوری اور نقاہت کے پیش نظر عاجز راقم سطور کے ذمہ دس پارے (۶ تا ۱۵) سونپے گئے۔

جب یہ مسائل پر مشتمل دس پارے پڑھانے کی ذمہ داری آئی تو تراجم بخاری کی دقّت اور باریکی کا پہلے سے ہی احساس تھا، عملی تجربے نے اس کو اور زیادہ مؤکد کردیا۔ دوسری طرف برسوں سے فقہ، اصول فقہ اور مقاصد شریعت کے مضامین پڑھانے کی وجہ سے ذہن اسی سانچے سے تراجم بخاری اور حدیث باب کے درمیان انطباق کرنے کی طرف متوجہ رہتا ، لیکن تراجم بخاری وغیرہ میں اس کی صراحت نہ ہونے اور امام بخاری کا بہت دور کی مناسبت سے ترجمہ قائم کرنے کی وجہ سے ایک الجھن سی رہتی تھی۔

(۱) ائمۂ اربعہ کے اصول وقواعد تو ان کی کتابوں میں صراحۃً مذکور ہے، لہٰذا ان کے اختلافات واستنباطات سمجھنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوتی ہے، لیکن امام بخاری کے یہاں

اس طرح کا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہوتا اور نہ ان کے شاگردوں نے اس نہج سے امام بخاری کے اصول وقواعد کو منضبط کیا تھا۔

(۲) تمام ابواب فقہیہ میں امام بخاریؒ کا یکساں کلام کرنا اور ہر جگہ تراجم میں گہرائی کا ہونا آپ کے مجتہد مطلق ہونے کی غمازی کررہا ہے، یہ چیز بھی آپ کے اصول کی تلاش کی بنیادی وجہ تھی۔

(۳) امام بخاری کی فقہی حیثیت متعین کرکے طلبۂ عزیز کو تراجم کے ذریعہ آپ کا طریقۂ اجتہاد بتانا ضروری تھا۔

(۴) آپ کامل محدث ہونے کے ساتھ فقہی ابحاث میں احادیث کے اشارہ، کنایہ، دلالات وایماء وغیرہ سے مسائل کا استنباط کرتے تھے، لہذا اس کا دیگر فقہاء کے اقوال سے تقابلی مطالعہ ضروری تھا۔

(۵) امام بخاریؒ کے زمانہ میں اصول فقہ وقواعد ومقاصد کا مستقل فن کی حیثیت سے انضباط نہیں ہوا تھا، فن ابھی تدوینی مراحل سے گزر رہا تھا؛ اگرچہ امام ابویوسفؒ وامام شافعیؒ کے رسائل لکھے جاچکے تھے، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں یہ فن منضبط ہوکر اصول فقہ کی شکل میں رائج ہوا ہے، لہذا امام بخاریؒ نے ان اصطلاحات کو اس طرح تعبیر نہیں کیا ہے جو بعد میں مستعمل ہوئی، لیکن اس کا مفہوم ضرور ادا کیا ہے، اس طرز تعبیر کو جاننا بھی ضروری تھا۔

(۶) شراح محدثین کا تراجم بیان کرنے میں غایت عمق وباریک بینی سے کام لینا اور کبھی بہت دور کی تاویلات کرنے پر مجبور ہونا بھی آپ کے طریقۂ استنباط کی تلاش کا سبب ہوا۔

(۷) غیر مقلدین کا امام بخاریؒ کو محدث کبیر کی حیثیت سے پیش کرکے مقلدین کے سامنے اپنے اہل حدیث ہونے کی دھونس جمانا اور اس ضمن میں قیاس واجتہاد، اقوال ائمہ اور ان کی فقہ کے خلاف لکھنا، جبکہ امام بخاریؒ کا تراجم کے ضمن میں اقوال صحابہ وتابعین اور فقہاء

کا بار بار ذکر کرنا آپ کی محدثانہ وفقیہانہ شان دونوں کو اجاگر کرتا ہے، اور اس ضمن میں یہ بتانا ضروری تھا کہ صرف محدث یا صرف فقیہ ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ مجتہد کی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے محدث فقیہ یا فقیہ محدث ہونا ضروری ہے، چنانچہ امام بخاری کی یہ عادت حسنہ غیر مقلدین کے لئے محل عبرت ہے کہ آپ نے معانی ومفاہیم اور مشکلات حدیث کی تشریح کے لئے بخاری شریف میں خالص محدثین کے بجائے فقہائے محدثین کے اقوال کو زیادہ اہمیت دی ہے، تو دوسری طرف سند ورجال کی تحقیق میں خالص محدثین کے اقوال ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ لکل فن رجال کا اصول ہر جگہ کارآمد ہوتا ہے، امت کو احادیث کی حفاظت کے لئے جیسے محدثین کی ضرورت ہے اسی طرح ان کی تشریح کے لئے فقہاءِ محدثین کی بھی ضرورت ہے۔

شراح ومحشی حضرات نے ترجمۃ الباب میں محنت کر کے بہت سے قواعد یا جزئیات کو منطبق کرتے ہوئے طریقۂ استنباط پر فروعی گفتگو کی ہے ۔اس میں سب سے دقیق استدلالات علامہ ابن المنیر ناصر الدین احمد بن محمد (م۔ ۶۸۳) نے "المتواری علی تراجم البخاری" میں کئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کو اور مزید واضح کیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب نے سب سے زیادہ محنت وتلاش کرتے ہوئے متقدمین اور شاہ ولی اللہؒ نیز شیخ الہندؒ کے اصول جمع کر کے ستر اصول مستنبط کئے، اور ہر ہر باب پر تطبیق گفتگو فرمائی۔ یہ تمام محنتیں عامۃً جزئیات اور ترجمہ الباب وحدیث باب کو منطبق کرنے کی ہے، اور اسی ضمن میں اگرچہ کچھ اصول ودلالت کی ابحاث کا ذکر بھی آیا ہے۔

(۱) علامہ ابن المنیر ناصر الدین احمد بن محمد (م۔ ۶۸۳) کی "المتواری علی ابواب البخاری"، (۲) اور حضرت شیخ زکریاؒ کی "الابواب والتراجم" کے علاوہ چند

کتابیں اور بھی ہیں جن میں امام بخاریؒ کا طریقہ استدلال واستنباط وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے (۳) شیخ ابو فارس محمد عبدالقادر کی ”فقه الامام البخاری“، (۴) شیخ عبدالمجید ہاشم الحسینی کی ”الامام البخاری محدثا وفقيها“، (۵) شیخ نزار بن عبدالکریم الحمدانیؒ کی ”فقه الامام البخاری فی الحج والصيام من جامعه الصحيح“، (۶) شیخ محمد سعید حوی کی ”منهج الامام البخاری فی الجرح والتعديل“، (۷) شیخ عبدالغنی عبدالخالق کی ”الامام البخاری وصحيحه“، (۸) شیخ عبداللہ غرم اللہ الغامدی کی ”فقه الامام البخاری فی الحدود“، (۹) شیخ نور حسن عبد الحلیم قاروت کی ”فقه الامام البخاری فی الوضوء والغسل مقارنا بفقه اشهر المحدثين“ اور (۱۰) شیخ محمد احمد حسین ابراہیم کی ”الاتجاه الفقهي للامام البخاری من خلال صحيحه“ ہے۔

لیکن مکمل طور پر اصول فقہ وقواعد ومقاصد کی بحث اور اس کے تمام متعلقات پر اصولی انداز میں کوئی کتاب نہیں تھی، اس سلسلہ میں میری تلاش جاری تھی اور اللہ پاک کا مزید کرم ہوا کہ **استاذ محترم مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ** عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہاں کتابوں کا معرض لگا ہوا تھا، حضرت نے کاپودرا واپسی کے بعد نئی کتابیں دیکھنے کی دعوت دی، بندہ نے ان میں دو کتابیں اپنے مقصد کی پائی: (۱) شیخ عبدالحق ہاشمی کی ”عادات الامام البخاری في صحيحه“ اور (۲) شیخ معاذ سعید حوّی کی ”المنهج الاجتهادی عند الامام البخاری“۔ اس میں ثانی الذکر کتاب میری چاہت وضرورت کے مطابق تھی تو حضرت سے اس کی درخواست کی، آپ محترم نے اپنی دیرینہ شفقت کے مطابق فوراً پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے میرے سپرد کی، میں نے کتاب کے تمام مضامین کا غور سے مطالعہ کیا، اور یہ محسوس کیا کہ میرے ذہنی خاکہ کے مضامین کے لئے یہ کتاب بنیاد

بن سکتی ہے، اکثر اصولی مثالیں اسی کتاب سے لی گئی ہیں، اس کے ساتھ اصول فقہ، مقاصد شریعت وقواعد فقہیہ کی دوسری کتابیں اور بخاری شریف کی مختلف شروحات ومتعلقات حدیث سے بھی موقع کے مناسب استفادہ کیا گیا ہے اور ایک طالب علمانہ انداز میں امام بخاریؒ کے اصول کو اقرب الی الفہم کرنے کی ایک ادنی سی کوشش کی گئی ہے۔

اصولی مباحث کے علاوہ کتاب کے آغاز میں فقہ واصول فقہ کی تاریخ، محدثین کے اصول وقواعد، فقہ حنفی کا حدیث سے تعلق اور اصول وضوابط، تیسری صدی ہجری میں تدوین حدیث کے مراحل وانداز، امام بخاری کے حالات زندگی، امام بخاریؒ کی شروط، عادات وخصائص اور تراجم ابواب کے اصول بھی محدثین وشراح کے کلام سے نقل کئے ہیں۔

ان تمام مباحث کا حاصل امام بخاریؒ کے منہج استنباط کو غیر جانب دارانہ طور پر زیادہ سے زیادہ مختلف پہلوؤں سے اجاگر کرنا ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ کتاب میں امام بخاریؒ کے جو اجتہادی طرق واصول ذکر کئے گئے ہیں ان سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ہم امام بخاریؒ کے ان اصول اور طریقۂ استدلال کو دیگر فقہائے کرام خاص کر کے ہمارے حنفی اصول کے مطابق جانچیں اور علمی استدلال کے انداز میں اس کا محاکمہ کریں، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ امام بخاری نے اصول فقہ واستدلالات کا ابتدائی علم اپنے وطن بخارٰی میں (جو احناف کا مرکز تھا) ہی حاصل کیا ہے، اور بعد میں حدیث شریف کا علم حاصل کیا۔ آپ نے خود قبول کیا ہے کہ میں نے حدیث شریف کا علم حاصل کرنے سے پہلے اہل الرائے حضرات (عبداللہ بن مبارک اور حضرت وکیع) سے استدلالات کے طریقے سیکھے ہیں؛ لہذا عموماً آپ کا احناف سے اصولی اتفاق ہے، کتاب وسنت سے استدلال کرنے کے طریقے اور کچھ اصول یا ان کے نتائج میں ہم سے اختلاف ضرور ہوا ہے، جس کو میں اجمالاً ذکر کرنا چاہتا ہوں:

امام بخاریؒ کے اصول وقواعد کا اجمالی خاکہ

(۱) امام بخاریؒ بچپن سے ہی علم فقہ کے حصول میں لگ گئے، پھر علم حدیث، رجال اور نقد حدیث میں خوب محنت کی؛ یہاں تک کہ اس فن میں امامت کا درجہ حاصل کرلیا۔ اور صرف جمع حدیث پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ فقہ حدیث کے بھی حریص تھے، اسی طرح مسائل شرعیہ میں علماء کے اقوال، ان کے دلائل، استنباط کے طریقے اور دلالات کی ابحاث کی معرفت میں بھی یدطولیٰ حاصل کرلیا۔

(۲) فقہائے مذاہب کے مناہج کی معرفت اور علمائے اہل الرائے سے نصوص کے معانی کی غواصی اخذ کی، جبکہ علماء محدثین سے تمسک بالسنۃ حاصل کیا اور اس طرح حدیث وفقہ دونوں میں مہارت تامہ حاصل کی۔

(۳) ذاتی طور پر اخلاق حمیدہ، تقوی وطہارت، خوفِ خداوندی وغیرہ صفات عالیہ سے متصف تھے۔

(۴) ایک طرف آپ کی کتاب بخاری شریف ضبط واتقان اور ترتیب وتبویب میں تمام کتابوں پر سبقت لے گئی تو دوسری طرف فقہی استنباطات اور لطیف اجتہادات میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے۔

(۵) علماء کرام نے ان کی حیات میں اور بعد الممات بھی ان کی قدر ومنزلت سمجھی، اجتہادات وحدیث کی جمع وترتیب میں ان کو امامت کے درجہ پر فائز کیا۔ بخاری شریف میں تمام شرعی علوم تفسیر، حدیث، فقہ، لطیف فقہی اجتہادات، لغات، اصول فقہ، قواعد اور مقاصد شریعت کو جمع کرنے کی وجہ سے ان کو مجتہد مطلق سمجھا۔

(۶) صحیح بخاری بہت سے ان اصول کو شامل ہے جو امام بخاری کے منہج کو

واضح کرتی ہے، ان میں سے اکثر "کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة" میں موجود ہیں، جوتشریع اسلامی کے مصادر سے متعلق ہے۔

(۷) امام بخاریؒ علماء وفقہاء اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے بخوبی واقف تھے، اپنی صحیح میں ان کے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں؛ خاص کر کے جب وہ امام بخاری کے اختیار کے موافق ہوں، ان میں سے کسی کے قول کو مطلق قبول نہیں کر لیتے تھے، بلکہ اپنے اجتہاد کے مطابق جس کی دلیل ان کے نزدیک قابل اعتبار ہو اسی کو قبول کرتے ہیں، اس لئے تمام ہی ائمہ مجتہدین وتابعین وغیرہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے، بلکہ کچھ مسائل میں تو جمہور کی بھی مخالفت کی ہے، کبھی کسی امام سے اتفاقا موافقت ہوجاتی ہے، لیکن امام بخاری کی دلیل کی بنیاد اس امام کے علاوہ دوسری ہی ہوتی ہے۔

(۸) امام بخاریؒ نے اپنے سے پہلے کے بعض ائمہ لغت کے اقوال سے استفادہ کیا ہے اور بہت سے غریب کلمات کی وضاحت میں ان کے اقوال کو نقل بھی کیا ہے، کبھی ان کا نام ذکر کرتے ہیں اور کبھی نام لئے بغیر ہی نقل کرتے ہیں۔

(۹) امام بخاریؒ کے بعد کے محدثین اور فقہاء نے امام کے اقوال وآراء کو جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا، لیکن اپنی کتب حدیث کے تراجم میں امام بخاری کی اتباع ضرور کی ہے۔ امام نسائی اور امام ترمذی نے تراجم میں اپنے استاذ کی نقل کی ہے؛ لیکن فقہی استدلالات میں وہ امام بخاری کی راہ پر نہیں چل سکے؛ کیونکہ یہ راہ بڑی پرخطر اور جزئیات کا زیادہ فائدہ پہونچانے والی نہیں تھی۔

(۱۰) امام بخاریؒ فقہی اہل حدیث گروہ کے امام شمار کئے جاتے ہیں لیکن آپ کا مذہب اتنا واضح نہیں تھا کہ اس کی تقلید کی جاوے، لہذا آپ مجتہد مطلق ہونے کے باوجود امام متبوع سے مشہور نہیں ہو پائے، آپ کی امامت عظمی صرف حدیث میں ہی مسلم رہی، اور

حدیث شریف میں بھی آپ ائمہ اہل حدیث گروہ کے منہج کی بہت سے اصول میں موافقت نہیں کر پاتے ہیں، کئی فروعات میں ان کی مخالفت بھی کی ہے۔

(۱۱) امام بخاریؒ حدیث کے مختلف طرق، رجال اور اسانید کی معرفت کے ساتھ ساتھ ائمہ فقہ کے اقوال ودلائل کی تنقیح اور ان کی پیروی واتباع اور ان کے منہج کو تھامنے میں دوسرے محدثین سے سبقت لے گئے، اگر چہ اس زمانے میں صراحۃً ان کے قواعد واصول کو ذکر نہیں کیا گیا، لیکن وہ اس وقت کے ائمہ فقہ کے اذہان میں مرتکز تھے۔

(۱۲) امام بخاریؒ نے اپنے اجتہاد میں کتاب وسنت پر اعتماد کیا اور دوسرے مصادر شرعیہ کو اس کے تابع قرار دیا۔ قرآن کریم کو اولیت کا درجہ دیا اور احتجاج میں اس کو سنت پر مقدم کیا، قرآن کریم کو بنیاد بنا کر بہت سے مسائل کا استنباط کیا، قرآنی کلمات کی لغات اور تفسیر میں بھی کافی دلچسپی کا ثبوت پیش کیا، اسی طرح ناسخ ومنسوخ، دلائل نسخ، قراءات اور اسباب نزول پر بھی خصوصی توجہ مرتکز کی۔

(۱۳) احادیث صحیحہ پر (جو آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سے ثابت ہوتی ہیں) احکام کے استنباط میں مکمل اعتماد کیا۔

(۱۴) خبر واحد (جب صحیح ہو) کی حجیت کو مؤکد کیا اور اس سلسلے میں کئی دلائل بھی ذکر کئے۔

(۱۵) جب آپ ﷺ کے قول سے کسی امر کی تشریح ثابت ہو جائے تو عدم فعل سے احتجاج کو صحیح نہیں مانتے ہیں۔

(۱۶) حدیث ضعیف قابل حجت نہیں ہے، لہذا احکام کا مدار نہیں بن سکتی ہے، البتہ اگر وہ حسن کے قریب پہونچ جائے، (اصول ثابتہ کے موافق ہو) تو امام بخاریؒ اس سے استدلال کو (معنیٰ کی صحت کی وجہ سے) جائز قرار دیتے ہیں۔ بخاری شریف میں ایسی روایات بہت

ہی نادر ہیں لیکن الادب المفرد میں ایسی روایات زیادہ مقدار میں ہیں۔

(۱۷) امام بخاریؒ روایت بالمعنیٰ، اختصار حدیث اور تقطیع حدیث کو معنیٰ کے نہ بدلنے اور حدیث سے مستنبط مسائل میں اثر انداز نہ ہونے کی شرط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، بخاری شریف میں کثرت سے اس طرح کیا ہے، خاص کر کے تراجم میں ذکر کردہ معلقات میں اس طرح کی روایات زیادہ ہیں۔

(۱۸) حدیث کے ناسخ ومنسوخ بیان کرنے میں بھی امام بخاریؒ نے خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔

(۱۹) قرآن وسنت کے مجمل کے بیان کرنے میں امام بخاریؒ نے سنت پر اعتماد کیا ہے اور اس طرح کی احادیث کثرت سے نقل کی ہیں جو مجمل کی تفسیر، عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید اور مجاز کی تاویل کرتی ہوں۔

اسی طرح نص کے اسباب نزول وورود سے بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے، کیونکہ احکام کی معرفت میں یہ بڑے مؤثر ہوتے ہیں۔

(۲۰) سنت کے مجمل اور مشکل مقامات کی فہم میں امام بخاریؒ قرآن کریم پر بھی اعتماد کرتے تھے۔

(۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (صحابہ سے دیکھے ہوئے کسی فعل یا قول پر) خاموشی کو امام بخاری بیان جواز اور تقریر کے درجہ میں سمجھتے ہیں، الا یہ کہ وہ سکوت وحی کے انتظار یا کسی امر میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہو۔

(۲۲) نصوص کے بیان میں امام بخاریؒ اقوال صحابہ کو کثرت سے نقل کرتے ہیں۔

(۲۳) قیاس کو معرفت احکام کا ایک مصدر ضرور مانتے ہیں، لیکن کتاب وسنت کی نصوص کے مخالف نہ ہونے کی شرط کو لازمی قرار دیتے ہیں، تکلف کر کے ثابت کرنا نہ ہو۔

(۲۴) امام بخاریؒ یہ سمجھتے تھے کہ مجتہد کا سنت مطہرہ کی وسیع معلومات والا ہونا ضروری ہے؛ تاکہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنے کا مرتکب نہ ہو اور پیش آمدہ مسئلہ سے قریب کوئی روایت مل جائے تو قیاس میں بھی آسانی ہو اور وہ درستگی کے زیادہ قریب بھی ہو جائے۔

(۲۵) اجماع سکوتی کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، البتہ تقویت کے طور پر مانتے ہیں۔ اجماع قولی کو بھی حجت مانتے ہیں لیکن اس کا دائرہ بھی تنگ رکھتے ہیں، اہل علم کے اجماع کا بھی اعتبار کرتے ہیں، اس میں بھی علمائے حرمین شریفین کے (قرن اول وثانی کے) اجماع کا زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔

(۲۶) امام بخاریؒ نے استحسان کی حجیت کی صراحۃً نفی نہیں کی ہے، لیکن ان کی بعض عبارات سے اس کی نفی کا پتہ چلتا ہے، گویا وہ امام شافعیؒ کی طرح استحسان کو ہوائے نفسانی کی ایک قسم سمجھتے ہیں، لیکن امام بخاریؒ کے بہت سے استدلالات حنفی استحسان کی اصطلاح کے مطابق شمار ہوتے ہیں۔

(۲۷) امام بخاریؒ نے اقوال وافعال صحابہ کی طرف توجہ فرمائی ہے؛ لیکن وہ قول صحابی کو مطلق حجت نہیں مانتے ہیں، آپ ان ہی اقوال وافعال کو بطور تقویت کے ذکر کرتے ہیں جو آپ کے قول کے موافق ہوتے ہیں۔

(۲۸) شرائع من قبلنا (جب تک ہماری شریعت کے مخالف نہ ہو) کی حجیت مانتے ہیں، اس سلسلے میں زیادہ توسع سے کام لیا ہے، اور بخاری شریف کے کئی مسائل کی بنیاد یا کم سے کم بطور استیناس کے شرائع من قبلنا کو ذکر کیا ہے۔

(۲۹) عرف کا اعتبار امام بخاریؒ کے نزدیک اصلِ شرعی کی طرح ہے، اور اس کا دائرہ معاملات (بیع، اجارہ، وکالہ اور ہبہ وغیرہ) کے مسائل ہیں، شرط یہ ہے کہ وہ نص کے مخالف نہ ہو، اسی طرح لوگوں کی وہ شرطیں جو عرف کا درجہ رکھتی ہیں اس کا بھی اعتبار کرتے ہیں۔

(۳۰) استصحاب حال کو بھی حجت مانتے ہیں، صحیح بخاری میں بہت سی تطبیقات میں اباحت اصلیہ اور براءۃ ذمہ وغیرہ سے کام لے کر حکم لگایا ہے اور جب تک اس کا مغیّر نہ آئے حکم کو استصحاب پر ہی منطبق کرتے ہیں، اسی طرح معاملات میں مشروعیت کا اعتبار استصحاب کی بنیاد پر ہی رکھتے ہیں۔

(۳۱) امام بخاریؒ مصلحت اور مقاصد شرعیہ کا بھی اعتبار کرتے ہیں، آپ نے متنبہ کیا ہے کہ بعض احکام کی علت مصلحت وضرورت ہوتی ہے، لیکن بخاری ظاہری نصوص کو عموماً ترجیح دیتے ہیں۔

البتہ لوگوں کے عرف میں ان کے عرف ومقاصد کا لحاظ کرتے ہیں، خاص کر کے اکراہ ونسیان میں عرف ومقاصد کا ہی لحاظ کیا ہے۔

(۳۲) امام بخاریؒ سد ذریعہ کو بھی مانتے ہیں، بخاری شریف کے بعض ابواب میں اس قاعدہ کا اعتبار کرتے ہوئے (بطور سد ذریعہ) کئی مسائل ثابت کئے ہیں، حاصل یہ کہ مصالح شرعیہ ومقاصد دونوں کا لحاظ کر کے غالب اور مآل کی رعایت کو مقدم کرتے ہیں، اور کئی مسائل میں بعض مباح ومندوب کے ترک کو سد ذریعہ اور درءِ مفسدہ کے طور پر جائز قرار دیا ہے۔

(۳۳) امام بخاریؒ نے حیلوں کو باطل قرار دینے میں بہت شدت اپنائی ہے، ان کو شارع کے مقصد کے خلاف سمجھا ہے، بخاری شریف میں حیلے کی بہت سی صورتیں ذکر کی ہیں، اور شریعت کے امر کی صریح مخالفت اور لوگوں کو دھوکا دینے کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کو حرام قرار دیا ہے، جیسے کہ امام بخاریؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ قاضی کا کوئی فیصلہ حقیقت امر کے خلاف ہو تو وہ حرام کو حلال نہیں کرے گا، لہذا جو مکلف یہ جانتا ہو کہ یہ حکم دیانۃً صحیح نہیں ہے، اس کے لئے اس کے مقتضی پر عمل کرنا حلال نہیں ہوگا۔

(۳۴) امام بخاریؒ نے فقہی اصطلاحات: واجب،مکروہ اور مباح وغیرہ کو استعمال کیا ہے، اس میں فرض وواجب کو ایک معنی میں رکھا ہے،اسی طرح حرام ومکروہ کے لئے مکروہ کا استعمال کیا ہے؛ لیکن بخاری کے اکثر تراجم میں حکم کی صراحت مذکور نہیں ہے۔ امام بخاریؒ کسی آیت،روایت،صحابی کا فتوی یا ائمہ میں سے کسی کے قول کو ذکر کرتے ہیں تو پڑھنے والا ترجمۃ الباب اور احادیث کی روشنی میں امام بخاری کے رجحان کو معلوم کرسکتا ہے۔

(۳۵) امام بخاریؒ نے احکام شرعیہ وضعیہ کو بیان کیا ہے، بہت سے تراجم میں اسباب، شروط،موانع اور رخصتوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

(۳۶) امام بخاریؒ نے عبادات کی ان شرطوں کو ذکر کیا ہے جن پر وہ عبادات یا ان کی صحت موقوف ہے۔اسی طرح شروط جعلیہ (جن کا لوگ عقود میں بطور شرط کے ذکر کرتے ہیں) کا بھی بہت اہتمام سے ذکر کیا ہے اور کتاب وسنت سے مخالفت کی وجہ سے اس کے عدم جواز کو بھی ذکر کیا ہے، پھر شروط کے قبول کرنے میں توسع سے بھی کام لیا ہے اور اس کا التزام واجب قرار دیا ہے،خاص کر کے وہ شرطیں جن کو لوگ عرف عام میں استعمال کرتے ہیں۔

(۳۷) معاملات میں شروط جعلیہ کا ذکر کرتے ہوئے بہت سی شروط اور ان کے احکام کو بیان کیا ہے،صحیح بخاری میں ۱۶/ شرطوں کے جواز کو ذکر کیا ہے،اور چھ شرطوں کے عدم جواز کو ذکر کیا ہے۔

(۳۸) بعض مسائل میں حکم کی صحت، بطلان یا فساد کو مطلق رکھا ہے۔

(۳۹) اکراہ کے حکم کو واضح کرتے ہوئے اس کو باطل قرار دیا ہے،نیت اور صحیح ارادہ کے فقدان کی وجہ سے مُکرَہ کے تصرف کو باطل قرار دے کر اس کے نکاح،طلاق،بیع اور ہبہ کا اعتبار نہیں کرتے ہیں اور اکراہ کے زوال کے بعد ان عقود کو باطل قرار دیتے ہیں،اکراہ حاکم وغیر حاکم دونوں کی طرف سے (جو بھی قادر ہو) ثابت ہوسکتا ہے،اکراہ مکرہ کے گناہ کو بھی

ساقط کردیتا ہے لہذا کلمۂ کفر کہنے والے مکرہ کو گناہ نہیں ہوگا۔

(۴۰) نسیان بھی امام بخاری کے نزدیک رفع اثم کا سبب بنتا ہے۔شریعت نے روزے میں بھول سے کھانے والے کو معاف کردیا ہے اور بعض احکام میں اس کی قضاء کا بھی حکم دیا ہے،مثلا بھول سے نماز فوت ہونے والے کو قضاء کا حکم دیا ہے۔امام بخاریؒ خطا ونسیان کی صورت میں طلاق وعتاق کا اعتبار نہیں کرتے ہیں اور دیگر امور میں بھی اکراہ ونسیان کا امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہے۔

(۴۱) امام بخاریؒ نصوص اور احکام کی دلالات میں بہت گہری واقفیت رکھتے تھے؛ لہذا آپ نے بخاری شریف کے تراجم میں نصوص کی مختلف دلالات کو بہت وضاحت سے ذکر کی ہیں،اصولیین نے مختلف تقسیمات واعتبارات سے دلالات کی ۲۰/ کے قریب اقسامات ذکر کی ہیں؛امام بخاریؒ عمومی طور پر سب سے استدلال کرتے ہیں۔

(۴۲) امام بخاریؒ نے نصوص کے مشکل وغامض معانی کی وضاحت میں بہت زیادہ محنت کی ہے۔

(۴۳) متشابہ کے بارے میں امام بخاری نے مختلف راہ اپنائی ہے؛ کچھ متشابہات میں غور وفکر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، کچھ میں اللہ تعالی کی تنزیہہ وعدم تشبیہ کی شرط کے ساتھ وضاحت کی اجازت فرمائی ہے،اور کچھ میں راسخین فی العلم کے لئے تاویل کی اجازت دی ہے۔

(۴۴) امام بخاریؒ نے کچھ قواعد کو بنیاد بنایا ہے،ان میں سے (۱) یہ کہ عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے جب تک صحیح مخصص کی کوئی دلیل مذکور نہ ہو۔(۲) عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص سبب کا نہیں الا یہ کہ لفظ کی تخصیص پر کوئی دلیل قائم ہو۔

(۴۵) امام بخاریؒ نے متنبہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی افعال وصف امامت سے تعلق رکھتے ہیں،آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛لہذا بعد کے خلفاء وائمہ کے لئے بھی وہ

تشریعی طور پرلازمی ہوں گے۔

(۴۶) کسی مسئلہ میں بعض نص مطلق وبعض مقید ہوتو موضوع وحکم کے متحد ہونے کی صورت میں امام بخاریؒ مطلق کومقید پرمحمول کرتے ہیں؛ لیکن موضوع مختلف ہونے اورحکم کے متحد ہونے کی صورت میں وہ مطلق کومقیدنہیں کرتے ہیں۔

(۴۷) امام بخاریؒ بہت سے مسائل خلافیہ کوذکرکرتے ہیں اوراستفہام کے صیغہ یاحکم کا قطعی فیصلہ کئے بغیرہی ترجمہ ذکرکرتے ہیں، اگرچہ باب کے ماتحت دلائل میں غوروفکرکرنے سے امام بخاریؒ کے مسلک کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۴۸) امام بخاریؒ نے بہت سے ابواب میں دلائل متعارضہ کاذکرکرکے تعارض دورکرنے کی کوشش کی ہے، اس کے لئے جمع بین النصوص یاپھرترجیح دلائل کی شکل کواپناتے ہیں، کبھی اس کوصراحۃ ذکرکرتے ہیں، البتہ عموماتراجم باب وحدیث باب میں ہی اشارہ کنایہ سے تعارض دورکرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے ان اصول وقواعدکی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ صرف محدث محض نہ تھے جن کوجمع روایات سے کام ہو؛ بلکہ حفظ حدیث، رجال کی معرفت، اسنادکی باریکیاں، علل کی آگہی اورنصوص کے مختلف طرق کی مکمل واقفیت کے ساتھ وہ اصول فقہ، قواعد(اشباہ ونظائراورفروق) اورمقاصدشریعت کی بھی گہری واقفیت رکھتے تھے، اجتہاد واستنباط کے مختلف طرق، صحابۂ کرام وتابعین عظام کے فقہی ذخیرے اورنصوص سے استدلال کے تمام طریقوں کی معرفت تامہ رکھتے تھے، یہ حضرات محدثین وفقہاء کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ امام بخاریؒ کی طرح دونوں قسم کے علوم سے مکمل وابستگی رکھے، تب ہی دین کی صحیح رہنمائی کرسکیں گے، کیونکہ کوئی فقیہ حدیث شریف ومتعلقات حدیث سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اسی طرح کوئی محدث صرف حدیثی علوم سے مسائل کے مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھ سکتا

جب تک وہ اصول فقہ،قواعد شرعیہ اور مقاصد سے واقفیت نہیں رکھتا ہے۔ جو محدث صرف حدیث شریف میں متخصص ہے وہ اصول فقہ اور طرق استدلال سے ناواقف ہوگا تو تعارض ادلہ اور نصوص کی مختلف دلالات میں امتیاز نہ کرسکنے کی وجہ سے خطاء فاحش کا ارتکاب کرے گا، بسا اوقات صرف نصوص کے ظاہر سے تمسک کی وجہ سے وہ روح شریعت اور مقاصد واہداف کے منہدم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔اسی طرح جو شخص صرف فقہ میں متخصص ہوگا وہ حدیث شریف اور علوم الحدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے صحیح حکم کا استخراج نہیں کرسکے گا۔نصوص کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم کرے گا یا حدیث ضعیف کو صحیح پر مقدم کرنے کا مرتکب ہوگا۔

(۴) توجیہ الاخبار فی شرح مشکل الآثار۔

تاویل مشکل الحدیث:

یہ بڑا نفیس اور مفید علم ہے،اس کو ’’تاویل مختلف الحدیث وعلم اختلاف الحدیث‘‘ بھی کہتے ہیں، ہر عالم بلکہ ہر مسلم کو اس کے جاننے کی ضرورت ہے، کیونکہ اسی علم کی بدولت حدیث رسول ﷺ سے تعارض وتناقض دور ہوتا اور شرعی احکام کے بارے میں اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے،’’مشکل الحدیث‘‘ سے مراد یہ ہے کہ دو حدیثیں بظاہر آپس میں معارض ہوں، محدثین نے اس قسم کی احادیث جمع کرکے ان کے تعارض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، اس نوع کے بارے میں صرف فقہائے محدثین ہی بات کرسکتے ہیں، جو احادیث کے معانی ومطالب کے سمندر میں غوطہ زن ہوچکے ہوں۔

اس فن پر سب سے پہلے امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے گفتگو کی اور ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام ’’اختلاف الحدیث‘‘ ہے۔

بعد ازاں امام ابوعبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے اس علم سے

متعلق کتاب تحریر کی، اس کا نام ''تاویل مختلف الحدیث'' ہے، آپ نے اس کتاب میں اہل الحدیث (محدثین) کے دشمنوں کی تردید کی ہے۔

ابن قتیبہ نے علم عربیت میں ماہر ہونے کے اعتبار سے جوابات دیئے ہیں، حدیث شریف کی تصحیح وتضعیف میں ان کو مہارت نہیں تھی، اور چونکہ ان کے جوابات علم الکلام پر رد کرنے کے اعتبار سے بھی تعلق رکھتے تھے؛ لہذا ان کی کتاب مشکل الحدیث اتنی مفید ثابت نہیں ہوئی، اسی لئے علامہ ابن کثیر نے فرمایا:

ولابن قتيبة فى مشكل الحديث مجلد مفيد ،وفيه ما هو غث، وذلك بحسب ما عنده من العلم. (شرح مشکل الآثار: ص: ۱۰)

پھر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ وابو یحییٰ الساجی متوفی ۳۰۷ھ نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں، ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے اس موضوع پر کتاب لکھی اور اس کا نام ''مشکل الآثار'' رکھا، یہ آپ کی بہترین تصنیف ہے۔

امام طحاویؒ نے ہر باب کے ماتحت ایسی دو حدیثیں پیش کی ہیں جن کے ظاہر سے باہمی تعارض معلوم ہوتا ہے، آپ دونوں کی سند، طرق اور روایات، سببِ ورود اور وجوہ ترجیح کے ساتھ روایت ذکر کرتے ہیں۔ آپ کو احادیث کی تکثیر نہیں؛ بلکہ جمع وتطبیق مقصود ہوتی ہے؛ لہذا ایک روایت سبب کے ساتھ اور دوسری جس میں سبب ذکر نہ کیا گیا ہو؛ دونوں کو نقل کرتے ہیں یا ایک حدیث مطلق اور دوسری مقید یا ایک عام اور دوسری خاص ہو تو بھی دونوں کو ذکر کرتے ہیں یا تدلیس واختلاط والی روایت کے ساتھ ارتفاع جہالت وتدلیس والے طرق کو بھی ذکر کرتے ہیں، کبھی قیاس شرعی کی طرف بھی -مجبور ہونے کی حالت میں- رجوع کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ احادیث کی ایسی شرح بیان کرتے ہیں کہ دونوں کے درمیان کا اختلاف وتعارض دور ہوجائے، البتہ اس ترتیب میں انہوں نے شرح معانی الآثار والا طریقہ نہیں اپنایا ہے؛ کیونکہ تعارض واشکال ایک باب کی دو روایتوں کے درمیان نہیں ہوتا ہے، بلکہ مختلف الابواب روایات میں بظاہر اشکال وتعارض نظر آتا ہے،لہذا دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرکے تعارض دور کرنا ہوتا ہے۔

مشکل الآثار سے کوئی فقہی ترتیب ملحوظ رکھنا مقصود بھی نہیں تھی، بلکہ اشکالات دور کرنا تھا،اسی لئے معانی الآثار کی طرح مشکل الآثار میں کسی فقہی مسلک کی تائید بھی نہیں کی، بلکہ مشکل الآثار میں ان پر حدیثی رنگ زیادہ چڑھا ہوا ہے۔

چنانچہ شیخ شعیب ارناؤوط امام طحاوی کے طریقۂ وجوہ ترجیح ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولم يقصد من إيراد الأحاديث بطرقها المتعددة، ورواياتها المختلفة التكثر بالرواية ، أو التدليل على قوة الحفظ ، بل كان يهدف من وراء ذلك إلى معنى هام يَخُصُّ موضوعه الذي أقام هذا الكتابَ عليه، فإنه قد تَرِدُ الأحاديثُ في رواية مختصرةً، وتُذكرُ في أخرى بتمامها، وقد يكونُ الحديثُ ورد على سبب معيَّن يُعينُ على فهم المرادِ منه، فَيُذْكَرُ الحديثُ في إحدى رواياته عريًّا من السَّبب الذي قيل من أجله، ويجيئ ذِكْرُه في رواياتٍ أخرى، أو يكونُ الحديثُ في رواية مطلقاً أو عامًّا، ويَرِدُ في أخرى مقيدًا خاصًّا، فيُخَصُّ به العمومُ الذي جاء في تِلْكَ الرواية، أو يكون في سندِ أحد الطرق مجهول أو مُدَلِّسٌ أو مَنْ رُمِيَ بالاختلاط، فيجيئُ مِن طرقٍ أخرى ترتفع بها الجهالةُ وشبهةُ التدليس والاختلاط، وقد أتاحت له هذه الطريقةُ التوثُّقَ مِن صِحّة الحديث، وتحريرِ ألفاظه. وما به من زيادة أو نقص، وما يستتبع ذلك من فَهْم مُعين يُمَكِّنُه من التَّهدِّي إلى المعنى الذي يَنْتَظِمُ به شَمْلُ الأحاديث، وتأتلِفُ معانيها،

وينتفي عنها التعارضُ الموهوم. (شرح مشكل الآثار: ۱/۱۱)

ويعتمِدُ الإمامُ الطحاوي في الترجيح أصلاً قواعدَ علمِ الحديث، فتجده يقول: إنّ المُتصل الإسناد أولى أن يُقبلَ مِمن خالفه، والروايةُ التي تتضمن زيادةً صحيحة الإسناد العَملُ بها أولى، وكُلّ زيادةٍ أو نقْصٍ ترِدُ من رواية الحافظِ تؤخذ بما فيها في موضع التعارض لأنها أولى من رواية غيره ممن هو دونَه في الحفظ.

وهو لا يكاد يُخْلي بابًا رجّح فيه حديثًا على آخر بأحدِ الوجوه المتقدِّمة وغيرها من شَدِّهِ بالنظرِ وتقويته بالقياس، إلا أنه قد يَضطرُ أحيانًا إلى الاعتمادِ على القياس أصلًا في الترجيح عندما تتكافؤ أسانيدُ الحديث بحيث يتعذَّرُ ترجيحُ أحدها، أو يكونُ الخلاف ناشئاً من حديثٍ واحد يحتملُ أكثر من تأويل يذهب إلى كُلّ تأويل منها جماعةً من أهل العلم، أي: أنه يعتمد في الترجيح أولًا النص الموثَّق، ثم يجيئ القياسُ والاجتهادُ عاضدًا ومقويًا له، ولا يعتمِدُ القياسَ أصلًا إلا في حال تعذر ترجيح أحدِ الحديثين على الآخر بمقتضى الصِّناعة الحديثية.

وتظهر في هٰذا الكتاب ثقافة أبي جعفر المتعددةُ الجوانب، إلا أنه يَتبَدّى فيه محدثًا أكثرَ منه فقيهاً، وإن لم يُخْلِه من بحوثٍ فقهيةٍ يَعْرِضُ لها بأسلوبه المتميّز، كما أنه أحيانًا يستنبِطُ مِن الحديث وجوهًا من الفوائد. (شرح مشكل الآثار: ۱/۱۳)

ترجیح میں امام طحاویؒ قواعد علوم حدیث پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے حدیث متصل کو مخالف پر مقدم کرتے ہیں، اسی طرح زیادات پر عمل کرنے کے سلسلے میں بھی محدثین کی وجوہ ترجیح کو بھی مقدم کرتے ہیں۔

الحمدللہ دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا میں گزشتہ کئی سال سے تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم ہے، جس کے ماتحت فرحة اللبيب فی تخريج احاديث نشر الطيب **اور** زجاجة

المصابیح کی پانچوں جلدوں کی احادیث اور تفسیر مظہری کا کام طلبۂ عزیز کی طرف سے مکمل ہوچکا ہے، اور تنقیح کا کام جهود المراجیح کے نام سے چل رہا ہے، اس کے بعد اس ششماہی کے بعد سے طلبۂ عزیز مشکوۃ المصابیح کی احادیث میں مشغول ہیں، جس کے بارے میں وضاحت آئندہ اوراق میں آرہی ہے، ساتھ میں شعبۂ تخصص میں تحقیق کا کام بھی جاری ہے، اخبار آحاد کی استدلالی حیثیت، حدیث کے اصول ومصطلحات منہج حنفی کی روشنی میں، فہم مشکلات الحدیث اور امام بخاری کے جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط وغیرہ عنوانات سے اہم کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

شعبۂ تخصص فی الحدیث کے نصاب میں مشکل الحدیث کے ماتحت کوئی کتاب داخل نصاب نہیں تھی، علامہ الحازمی کی الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ کے شروع کے ۲۲ صفحات (اصول) پڑھائے جاتے تھے، مستقل کتاب کے سلسلہ میں چند کتابیں پیش نظر تھی، لیکن کوئی جامع کتاب اور اس کے بھی معتد بہ نسخے موجود نہیں تھے، حسن اتفاق سے مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کے کتب خانے میں سعودی عرب سے چند کتابیں آئی ہوئی تھی، اس میں امام طحاویؒ کی شرح مشکل الآثار شیخ شعیب الارنؤوط کی تحقیق کے ساتھ ۱۵/ جلدوں میں تھی، کتاب دیکھتے ہی ذہن میں آیا کہ اسی کتاب کو داخل نصاب کیا جاوے، کیونکہ ہمارے پاس مشکل الآثار کے ناقص اور ملخص نسخے بغیر تحقیق کے تھے، اور یہ نسخہ تعلیق وتخریج کے ساتھ مکمل ومحقق تھا۔

کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ شیخ شعیب الارنؤوط نے کافی محنت کی ہے تو مناسب یہ سمجھا گیا کہ تخصص کے طلبہ کو ایک ایک جلد دے کر ان سے اردو میں اس کا ماحصل لکھوایا جاوے۔

چنانچہ اس کتاب کے استاذ مولانا قاضی حسن مدھوبنی صاحب سے مشورہ کر کے طلبہ کو یہ کام مولانا کی نگرانی میں سونپا گیا۔الحمدللہ سال کے ختم ہونے پر قاضی صاحب نے مجھے طلبہ کی کاپیاں دکھائی تو طلبہ کا کام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اور قاضی حسن صاحب نے اس کو مزید منقح کر کے میرے حوالے کیا تو مضمون کی اہمیت کا اور استحضار ہوا۔

امام طحاویؒ اور شیخ شعیب ارنؤوط نے مشکلات الحدیث کے ضمن میں جن اصول سے کام لیا اس کا بھی کچھ نمونہ سامنے آیا تو اسی وقت ذہن میں یہ بات آئی کہ اصول فقہ اور علوم الحدیث کی کتابوں میں تعارض ادلہ ومشکلات الحدیث کے ضمن میں جو وجوہ ترجیحات ذکر کی ہیں اگر ان کا احاطہ کرلیا جاوے تو ہمارے طلبۂ عزیز کے لئے مشکل الحدیث کی فہم میں آسانی ہوجاوے اور اس کے تمام پہلو مع امثلہ نکھر کر سامنے آجاوے اور چونکہ اردو زبان میں اس موضوع پر مستقل کوئی کتاب بھی نہیں ہے تو اس کا نفع عام اہل علم کو بھی پہنچے، اس غرض کے ماتحت میں نے ہمارے دارالعلوم کے مؤقر استاذ قاضی حسن صاحب مدھوبنی سے درخواست کی اور آپ محترم نے ماشاءاللہ کافی محنت اور لگن کے ساتھ اس سلسلہ کے اصول حضرات اصولیین ومحدثین کی عبارتوں سے کھنگال کر مثالوں کے ساتھ ہمارے سامنے پیش کیا ہے، اور وہ الحمدللہ تعالیٰ ''فہم المشکلات الحدیث کے قواعد'' کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔

دوسری طرف شرح مشکلات الحدیث کی روایات کے ضمن میں علامہ شعیب ارنؤوطؒ کی تحقیقات کو طلبۂ عزیز نے اردو زبان میں پیش کیا، اور جلدِ اول کی تکمیل کی تو قاضی حسن صاحب نے اس کی تنقیح کر کے میرے سامنے پیش کیا تو میں نے مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد

مجھے حکم فرمایا کہ مشکلات الحدیث کی شرح میں امام طحاوی کے علاوہ محدثین نے جو کلام کیا ہے، اوران کی بھی تصنیفات موجود ہیں، تو ان کی آراء کو بھی شامل کیا جاوے۔ حضرت کے حکم کو بسر وچشم قبول کر کے میں نے قاضی حسن صاحب کو دیگر محدثین کے اقوال حوالے کے ساتھ جمع کرنے کا مشورہ دیا، اور اب الحمدللہ حضرت مفکر ملت کے منشا کے مطابق مزید تنقیح کے ساتھ کتاب مزین ہو کر آ گئی ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ جلدِ اول کی تکمیل کے موقع پر حضرت الاستاذ ہمارے درمیان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ شعبۂ تخصص فی الحدیث کی مسلسل دس سالہ نگرانی و خصوصی توجہ کا مفکر ملت کو بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ حضرت مولانا قاضی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہ کام بہت سلیقہ سے احسن الوجوہ اداء کیا، حق تعالیٰ شانہ آپ کی محنت کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے دارین میں خیر وفلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔۔

(۵) حدیث کے اصول ومصطلحات منہج حنفی کی روشنی میں۔

مدارس اسلامیہ میں اصولِ حدیث کے نصاب میں عامۃً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر" اور تخصص فی الحدیث الشریف کے نصاب میں "تدریب الراوی" یا "مقدمۃ ابن الصلاح" پڑھائی جاتی ہے، یہ کتابیں یقینا اصول حدیث میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں؛ لیکن اس کے مصنفین شوافع ہونے کی وجہ سے شوافع کے اصول استدلال سے ہی بحث کرتے ہیں، ائمہ احناف کے اصولی اختلاف کو ذکر نہیں کرتے ہیں، اس وجہ سے ہمارے علمائے کرام وطلبۂ عزیز حنفی اصول حدیث سے واقف ہی نہیں ہوتے۔

اس سے زیادہ افسوس تو تب ہوتا ہے جب ہم شوافع وغیرہ کے ساتھ استدلال کے موقع پر یا احادیث میں تطبیق دیتے وقت شوافع ہی کے اصول سے استدلال کرتے ہیں، حالاں کہ ائمہ احناف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے، وہ تو حنفی اصول کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے، اور ہم اصول احناف سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں، یہ ائمہ احناف کے ساتھ ہماری طرف سے کتنی ناانصافی ہوگی کہ ان کے مستدلات کو تو ہم ذکر کریں؛ لیکن کن اصولی اختلاف کی وجہ سے انہوں نے اس مسئلہ کو ثابت کیا وہی نہ جاننے کی وجہ سے اصول میں ان کی مخالفت کریں؛ یہ اصول وفروع کے درمیان ہماری تضاد بیانی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

یہ بات کئی سال سے ذہن میں کھٹک رہی تھی، اور میں احناف کے اصول حدیث کے سلسلہ میں کافی پریشان تھا کہ وہ کسی جگہ پر مدلل محقق حوالوں کے ساتھ اور اس ترتیب کے مطابق مل جائیں جو نخبہ وغیرہ اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، تو اپنے عزیز طلبہ کے سامنے ہم اس کو پیش کرسکیں، یہ طلب اس وقت زیادہ شدت اختیار کرگئی جب دارالعلوم ماٹلی والا میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کا افتتاح ہوا، انہی دنوں میں دارالعلوم مظاہر العلوم سہارن پور کے امین عام مولانا محمد شاہد صاحب کا ایک رسالہ نظر سے گذرا، جس میں آپ نے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے اجراء سے پہلے اس کے نصاب کے سلسلہ میں مختلف اکابر محدثین کے نام خط ارسال فرمایا تھا، تو پاکستان سے محدث کبیر حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کے خط میں اصول حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا تھا:

> اور حنفی عالم کو محدثین کی مصطلح کے علاوہ اصول فقہ کی
> کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے اس کو خاص طور پر پیش نظر
> رکھنی چاہیے، خصوصاً جصاص کی اصول فقہ، سرخسی اور بزدوی

رحمہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں جو سنت کی بحث ہے وہ پیش نظر
رہے کہ ہمارے یہاں نقد حدیث کے وہی اصول ہیں جو
ان کتابوں میں مذکور ہیں، وہ نہیں جو ابن صلاح اور بعد کے
لوگوں نے بنائے ہیں، اس سلسلہ میں کشف بزدوی
اور اصول سرخسی کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔
نصاب کے لئے آپ چاہیں تو اصول حدیث میں مقدمۂ
ابن صلاح ،اصول فقہ میں سے سرخسی کی سنت کی بحث
لازمی کر سکتے ہیں۔ (تخصص فی الحدیث الشریف نمبر، ص:۲۵، شعبۂ
نشر واشاعت جامعہ مظاہر العلوم، سہارن پور)

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ اور ذہن میں آرہا ہے، ایک مرتبہ سورت شہر میں حکیم فخر الدین صاحب کی مجلس میں حاضری ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے مدارس میں نحو کی کتابیں بصریین کے طریقہ پر پڑھائی جاتی ہے، کوئی ایک کتاب بھی اہل کوفہ کے طریقہ پر نہیں پڑھائی جاتی ہے؛ جب کہ ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے تھے، نحو کے کئی اختلافات کا اثر فقہ حنفی پر بھی ہوا ہے، وہاں اہل کوفہ کا نحو نہ جاننے کی وجہ سے ہم دلیل مکمل نہیں کر پاتے ہیں۔

حنفی اصول حدیث کے یکجا ملنے کی تلاش وجستجو جاری تھی کہ عزیزم مولانا اکرام پارکھیتی صاحب ایک کتاب نیٹ سے نکال کر لائے، نام پڑھتے ہی میں خوش ہو گیا کہ الحمد للہ میری مراد پوری ہوگئی، کتاب کا نام تھا "دراسات فی اصول الحدیث علی منھج الاحناف" اور مصنف مولانا عبدالمجید الترکمانی ہیں، یہ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے تخصص فی الحدیث

کے طالب علم ہیں، اور یہ مقالہ انہوں نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے تخصص فی الحدیث کے ذمہ دار اور وقت کے بڑے محدث حضرت مولانا عبدالحلیم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیر نگرانی تیار کیا ہے۔

اس سے ہمیں کام کا خطہ مل گیا تھا اور حوالہ جات بھی مل گئے تھے، اسی اثناء میں ایک دوسری کتاب کا بھی پتہ چلا، جو مصر کے ایک حنفی عالم کیلانی محمد خلیفہ صاحب کی ہے، یہ بھی ان کا مقالہ ہے، کتاب کا نام "منهج الحنفيه فى نقد الحديث بين النظريه و التطبيق" ہے، اور شیخ محمد سعید رمضان البوطی کے مقدمہ اور چند ملحوظات کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی ہے۔

ان دونوں کتابوں کے علاوہ اصول حدیث وفقہ کی اور بھی کتابوں میں سے اصول احناف کو تلاش کیا گیا، اور یہ سارا مواد مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری (استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم ماٹلی والا) کے سپرد کیا گیا، اور ساتھ میں یہ عرض کیا گیا کہ کتاب کے ختم پر خلاصۂ بحث میں اجمالی طور پر احناف اور محدثین کے درمیان جو اصولی اختلافات ہیں، ان کو واضح کیا جائے، تاکہ یہ مباحث پڑھتے وقت ہمارے طلبۂ عزیز کو احناف کے اصول کا استحضار ہو، الحمدللہ مولانا عبداللہ صاحب نے مختصر سی مدت میں اس کو بہت اچھے انداز میں جمع کر کے اردو زبان میں کتابی شکل میں مرتب فرمایا۔

کتاب مکمل ہونے کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے خاتمہ کے عنوان سے ان اہم اصولی اختلاف کو الگ سے ذکر کیا؛ تاکہ کتاب کی اہمیت کا پتہ چل سکے، ہمارے طلبۂ عزیز وعلمائے کرام کو یہ بھی معلوم ہو کہ یہ اصولی اختلاف کن کن فروعی مسائل میں اثر کرتا ہے، خاص کر کے حدیث شریف (اسانید کی تعداد کے لحاظ سے) کی بنیادی تقسیم کا اختلاف کتنا سنگین اور اثر انگیز ہے، اس کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

(۱) متقدمین ومتأخرین احناف بہ لحاظ تعداد اسانید، احادیث کو تین قسموں میں منقسم کرتے ہیں: متواتر، مشہور، آحاد، جب کہ محدثین اسانید کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں: متواتر، آحاد، ان دونوں قسموں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشہور احناف کے نزدیک آحاد کی قسیم ہے، اور محدثین کے نزدیک آحاد کی قسم ہے۔

(۲) متواتر کی تعریف وحکم میں احناف ومحدثین متفق ہیں، البتہ حنفیہ نے کچھ اضافہ کیا ہے، مثلاً متواتر کا انکار کفر ہے۔ اور مشہور کی تعریف اور حکم، اسی طرح، آحاد کی تعریف اور حکم میں احناف محدثین سے مختلف ہیں۔

متواتر، مشہور اور واحد کا اختلاف ہزاروں مسائل کی تفہیم میں احناف ودیگر ائمہ کے درمیان حد فاصل ہے، جیسے کہ شرعی احکام کی تقسیم میں احناف نے فرض اور سنت کے درمیان واجب کی اصطلاح متعین کر کے شرعی احکام میں سے ہر ایک کو افراط وتفریط سے پاک رکھا۔

ایک صاحب نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ حدیث سے پانچ نمازیں فرض معلوم ہوتی ہے، آپ نے وتر کو واجب کا درجہ دے کر فرض کی تعداد چھ (٦) کردی ہے، تو امام صاحب نے فرمایا کہ "الفرق ما بین الفرض والواجب کما بین السماء والارض" کیوں کہ فرض کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا، جب کہ واجب کا منکر کافر نہیں ہوگا، نصوص میں وتر نماز کی تاکید تھی، لہذا اس کو سنت نہیں کہہ سکتے تھے، اور فرض کے درجہ کی تاکید بھی نہیں تھی کہ فرض کا درجہ دیا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث متواتر اور واحد کے درمیان حدیث مشہور کی تقسیم کر کے ائمہ احناف نے تمام احادیث کو ان کا حق دیا، خاص کر کے اخبار آحاد کو اعتدال بخشا، جب کہ دیگر ائمہ نے مشہور کو آحاد کی قسم قرار دے کر دونوں کے درمیان میں زیادہ فرق نہیں کیا۔

(۳) تعریف مشہور میں اختلاف کی بناء پر محدثین واحناف کے مابین دو جگہوں میں اختلاف:

(الف) محدثین کے نزدیک شہرت حدیث کے لیے ضروری ہے کہ عہد صحابہ میں بھی رواۃ کی تعداد تین سے کم نہ ہو، احناف کے نزدیک یہ شرط نہیں۔

(ب) احناف کے نزدیک شہرتِ حدیث اور اس کی قبولیت عہد صحابہ کے بعد ضروری ہے، محدثین کے نزدیک شہرت حدیث کے لیے یہ شرط کافی نہیں؛ بل کہ ضروری ہے کہ عہد صحابہ میں بھی رواۃ کی تعداد تین سے کم نہ ہو۔

اس فرق کی بناء پر احناف کے نزدیک بعض احکام کا ثبوت:

(الف) حدیث مشہور، موجب علم طمانینت ہے؛ نہ کہ علم یقینی۔

(ب) حدیث مشہور کے منکر کو گمراہ قرار دیا جائے گا؛ نہ کہ کافر۔

(ج) احادیث مشہورہ کے ذریعہ عموم کتاب کی تخصیص، مطلق کی تقیید اور اس پر زیادتی جائز ہے۔

(۴) قبولیت خبر کے لیے محدثین واحناف کے نزدیک وہ ہی شرائط ہیں، جو حدیث صحیح کے لیے ہیں؛ البتہ حنفیہ کے نزدیک ضبط کی ایک تقسیم خاص ہے۔

(۵) محدثین کے انقطاع اور احناف کے انقطاع میں فرق ہے، احناف انقطاع فی الحدیث کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں: انقطاع ظاہر، انقطاع باطن۔ پھر انقطاع ظاہر کی چار قسم ذکر کرتے ہیں: مرسل صحابی، مرسل اہل قرن ثانی وثالث، مرسل عادل فی کل عصر، تعارض وصل وارسال۔ اور انقطاع باطن کی دو قسمیں کرتے ہیں: انقطاع بالمعارضۃ، انقطاع نقصان وقصور فی الناقل، پھر انقطاع بالمعارضۃ کی متعدد قسمیں ہیں: عرض الحدیث علی القرآن، عرض الحدیث علی السنۃ المشهورۃ، عرض خبر الواحد علی

ماتعم بہ البلوی، وغیرہ۔اسی طرح انقطاع نقصان وقصور فی الناقل کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔

(۶) حنفیہ کے نزدیک انقطاع، اسناد ومتن دونوں کو شامل ہے؛ جب کہ محدثین کے نزدیک انقطاع سند کے ساتھ خاص ہے۔

(۷) محدثین واحناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرسل منقطع کی اقسام میں سے ہے، اگر چہ اس کی تعریف وحکم کے سلسلہ میں دونوں کا نظریہ الگ الگ ہے۔

(۸) حنفیہ کے نزدیک یہ تقسیم انقطاع ظاہر وباطن سے معروف ہے اور محدثین کے نزدیک یہ تقسیم ظاہر وخفی سے مشہور ہے۔

(۹) انقطاع بالمعارضۃ اور اس کی اقسام بیان کرنے میں حنفیہ متفرد ہیں۔

(۱۰) محدثین نے انقطاع فی السند کی متعدد تقسیمات کی ہیں، اور ہر ایک کو الگ الگ نام سے موسوم کرتے ہیں، جب کہ حنفیہ کل تقسیمات پر منقطع یا مرسل کا اطلاق کرتے ہیں۔

(۱۱) محدثین کے نزدیک انقطاع اپنی تمام اقسام سمیت ضعیف ومردود کی قبیل سے ہے، اور حنفیہ کے نزدیک انقطاع ظاہر صحت حدیث کے لیے مانع نہیں بنے گی، برخلاف انقطاع باطن کے۔

(۱۲) محدثین کے نزدیک مرسل، تابعی کے ساتھ خاص ہے یعنی تابعی کا "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہنا ہی مرسل ہے، اگر کوئی اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے، تو وہ مرسل نہیں؛ حدیث کی کوئی اور قسم ہوگی، جب کہ محققین حنفیہ کے نزدیک اہل قرون ثلاثہ میں سے کوئی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے، اسے حدیث مرسل ہی کہا جائے گا، البتہ اس شرط کے ساتھ مرسل روایت مقبول ہوگی کہ مرسِل ثقہ ہو اور ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو۔

(۱۳) محدثین کے نزدیک زیادتی ثقات فی المتن اس شرط کے ساتھ مقبول ہے کہ

دوسرے ثقات کی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو اور حنفیہ کے نزدیک زیادتی ثقات فی المتن مقبول ہے، چاہے مخرج حدیث متحد ہو یا مختلف، لیکن مخرج حدیث کے مختلف ہونے کی صورت میں عمل دونوں حدیثوں پر کیا جائے گا، یعنی عام اپنے عموم پر اور مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہیں گے۔

(۱۴) احناف ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص عام بول چال میں کذب بیانی سے توبہ کر چکا ہو، اس کی روایت مقبول ہے؛ لیکن حدیث نبوی میں کذب بیانی سے توبہ کر لینے والے راوی کے بارے میں اختلاف ہے، جمہور محدثین کے نزدیک اس کی روایت مقبول نہیں ہے، حنفیہ اور بعض محدثین فرماتے ہیں کہ صحت توبہ کے بعد اس کی روایت مقبول ہے۔

(۱۵) عادل کا ضبط وحفظ میں غیر معروف راوی سے روایت جمہور احناف کے نزدیک تعدیل کی دلیل ہوگی؛ لیکن قرون ثلاثہ کی قید کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

(۱۶) راوی مبہم کی حدیث محدثین کے نزدیک مردود ہے، اس کے ذات وحال کے مجہول ہونے کی وجہ سے اور حنفیہ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ مقبول ہے کہ وہ قرون ثلاثہ میں سے ہو۔

(۱۷) فقہ حنفی میں آثار صحابہ کی بڑی اہمیت ہے، ایسے اقوالِ صحابہ، جن میں اجتہاد ورائے کا کوئی دخل نہ ہو اور اس سلسلہ میں ایک ہی صحابی کا قول منقول ہو، صحابہ کے درمیان اختلاف منقول نہ ہو، حنفیہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک حدیث نبوی ہی کے حکم میں ہیں، اور ایسے اقوال، جن میں اجتہاد ورائے کی گنجائش ہو، اگر ایسے اقوال کتاب وسنت کی نص سے معارض ہوں، تو حجت نہیں، اگر صحابہ میں اس مسئلے پر اختلاف رہا ہو، تب بھی حجت نہیں، اگر نص سے

متعارض بھی نہ ہواور کسی اور صحابی سے اس کے خلاف منقول نہ ہو یا اس مسئلے میں کسی اور صحابی کی واضح رائے ہی مروی نہ ہو، تو یہ اقوال بھی حنفیہ کے نزدیک حجت ہوں گے۔

اگر امام اعظم نے کسی مسئلے میں قول صحابی پر عمل نہیں کیا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی دوسرا سبب ہے، یا اس میں صحابہ کی آراء ہیں، جن پر امام صاحب مطلع ہوئے، تو اس وقت امام اعظم ترجیح کی صورت اختیار فرماتے ہیں۔

اگر صحابہ کے کسی مسئلے میں متعدد اقوال ہیں، تو امام صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ ایسے قول کو اختیار فرماتے ہیں، جو کتاب اللہ کی دلالت کے زیادہ قریب ہو، یا منہج شرع اور اس کی طبیعت کے موافق ہو۔

(۱۸) حنفیہ کے نزدیک تلقی بالقبول کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے، نیز حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف بھی قیاس پر مقدم ہے، نیز محدثین وحنفیہ کے نزدیک ضعیف حدیث کی مراد میں فرق ہے، حنفیہ کے نزدیک حدیث ضعیف سے مراد حسن لغیرہ ہے؛ نہ کہ متأخرین کی اصطلاحی ضعیف، نیز فقہ حنفی کے دراسہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ بعض اوقات سند میں ضعف کے باوجود شریعت کے عمومی مزاج و مذاق سے مطابقت کی وجہ سے مقبول ہوتی ہے اور بعض روایتیں سند کے اعتبار سے قوی ہوتی ہیں؛ لیکن شریعت کے عام اور مسلم اصول و قواعد کے خلاف ہونے کی بناء پر مردود ہوتی ہے۔

(۱۹) جمہور محدثین فقہاء روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ روایت بالمعنی کرنے والا دلالت الفاظ اور اس کے مواقع کے اختلاف کو پہچانتا ہو؛ لیکن متأخرین حنفیہ نے مجملاً اس کی رخصت دی ہے، اور تفصیلاً بعض اقسام سنت میں اس کو جائز قرار نہیں دیتے، چناں چہ حنفیہ اس کی پانچ اقسام ذکر کرتے ہیں اور دو میں جائز قرار دیتے ہیں۔

(۲۰) جمہور فقہاء ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ راوی کا عمل یا اس کا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہونا حدیث میں موجب جرح نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کی تین حالتیں ہیں: (۱) راوی کا عمل یا اس کا فتوی ان کی روایت کردہ حدیث سے پہلے ہوگا یا بلوغ سے پہلے ہوگا۔ (۲) ان دونوں کا علم نہ ہوسکے۔ (۲) روایت بلوغ کے بعد ہو۔ (۳) پہلی دوصورتوں میں جواز کے قائل ہیں اور اخیری صورت میں عدم جواز کے۔

(۲۱) حنفیہ کے نزدیک جرح قبول کرنے کے لیے تین شرائط ہیں:

(۱) جرح جرح مفسر ہو۔ (۲) سبب جرح بالاتفاق جرح کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

(۳) جرح عصبیت اور عداوت کی بناء پر نہ ہو۔

اسی اہمیت کے پیش نظر باذوق، صالح نوجوان فاضل مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری نے یہ کتاب تیار کی ہے، آپ چونکہ زجاجۃ المصابیح کی احادیث کی تخریج بھی کررہے ہیں، اسی مبارک کام کے دوران وقت نکال کر یہ کتاب بڑی محنت وعرق ریزی سے تیار کی ہے، جس سے اصول ومصطلحات میں منہج حنفی پر اچھا خاصا مواد اردو زبان میں تیار ہوگیا ہے، جو حدیث سے وابستہ حضرات کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا، اس سے پہلے بھی آپ کی دو کتابیں ''اجرائے اصول حدیث'' اور'' اخبار آحاد اوران کی استدلالی حیثیت'' منصۂ شہود پر آچکی ہے، اور داد تحسین حاصل کرچکی ہے، حق تعالی شانہ سے دعا ہے کہ ان کی حدیثی خدمات اور قلمی کاوشوں کو قبول فرمائے، طلبۂ حدیث کوان سے خوب فائدہ پہنچے اور مذکورکاوش کو رضائے الہی ونجات اخروی کا ذریعہ بنائے۔

(٦) امام بخاریؒ کے جرح وتعدیل کے قواعد وضوابط۔

امام بخاریؒ اسماء رجال کے بہت بڑے ماہر اور علل حدیث کے پرکھنے والے ہیں،

لہذا وہ رجال کی تحقیق کے بعد حدیث کی صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں، اور پھر اس پر مسئلہ کی بنیاد رکھتے ہیں، جبکہ دیگر ائمہٴ اجتہاد رجال کی صحیح معرفت میں ان کے درجہ تک نہیں پہونچے ہیں، اور نہ حدیث پر حکم لگانے کی قدرت رکھتے ہیں، تو ان کا علم احادیث کے صحیح ادراک اور رجال کی معرفت میں کم ہوتا ہے: نتیجةً وہ خارجی ضوابط وضع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جس سے حدیث پر حکم لگا سکے، تو کبھی وہ احادیث صحیحہ کو بھی ان کے ضوابط کے معارض ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں، اور ان لوگوں کی احادیث قبول کر لیتے ہیں جن کی مخفی علتوں اور ضعف کا وہ ادراک نہیں کر سکتے ہیں، اسی خوبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبداللہ خطابی فرماتے ہیں:

فأصبح هذا الكتاب كَنْزاً للدين، ورِكازاً للعلوم، وصار بجودَة نَقْدِه وشدّة سَبْكه حَكَمًا بين الأمة فيما يُراد أن يُعلم من صحيح الحديث وسقيمه، وفيما يجب أن يعتمد ويُعوّل عليه منه. (أعلام الحديث: ج/۱، ص: ۱۰۲، الخطابی)

شرائط بخاری کا اجمال اور خلاصہ کل سات شرطیں ہیں: (۱) طبقہٴ رواۃ (۲) کثرت ملازمت (۳) صحت لذاتہ (۴) اجماع علی ثقاهة الرجال (۵) ثبوت اللقاء والسماع (۶) ترک وحدان (۷) ترک مراسیل۔

ان شرائط کے اشتراط میں فی حد ذاتہ تو کسی قسم کے طعن وقدح کی گنجائش نہیں؛ کیوں کہ ہر مصنف اپنی کتاب کے شرائط کی تعیین میں خود مختار ہے۔ ولا مناقشة فی الاصطلاح.

لیکن نفس الامر میں صحت وخطا کی حیثیت سے آخری چار شرطوں پر کسی حد تک کلام کی گنجائش ہے، اب ان سات شرائط کی تفصیل مختصر طور پر حسب ذیل ہے:

(۱) ضبط واتقان اور ملازمت ومصاحبت شیخ کے اعتبار سے رواۃ حدیث کے کل

پانچ طبقات ہیں: [۱] کامل الضبط وکثیر الملازمۃ [۲] کامل الضبط وقلیل الملازمۃ [۳] ناقص الضبط وکثیر الملازمۃ [۴] ناقص الضبط وقلیل الملازمۃ مع غوائل جرح [۵] ضعفاء مجہولین، متہمین۔

امام بخاریؒ کی شرط فقط طبقۂ اولی کے رواۃ کی روایات لانا ہے، اور کبھی کبھی طبقۂ ثانیہ کے مشاہیر واعیان سے محض انتخابا وتعلیقا ومتابعۃ واستشہادا اور طبقۂ ثالثہ سے تعلیقا اقل قلیل روایات لاتے ہیں اور باقی دو طبقات سے بالکل روایات نہیں لاتے ہیں۔

(مستفاد از شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی الملحق بابن ماجہ: ص۷۹-۸۰، معارف السنن: ۱/۲۰-۲۱)

امام بخاریؒ فقط حدیث صحیح لذاتہ کو ذکر فرماتے ہیں، صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے جس کے راوی عادل وکامل الضبط ہوں، اس کی سند متصل ہو اور وہ معلل وشاذ ومنکر ہونے سے محفوظ ہو، عادل وہ ہے جو کذب، اتہام کذب، فسق، جہالت اور بدعت سے پاک وصاف ہو، اور ضابط وہ ہے جو فحش، غفلت، وہم، مخالفت ثقات اور سوء حفظ سے محفوظ ہو، حاصل یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے یہاں کسی حدیث کے قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ حدیث صحیح لذاتہ ہو، یہ مناسب نہیں ہے، کیوں کہ حافظ ابن حجرؒ نے 'نکت' میں اعتراف کیا ہے کہ احادیث شیخین کی ایک بڑی مقدار صحیح لغیرہ ہے۔ (النکت: ۱/۴۱۷)

حضرات شیخینؒ نیچے سے اوپر صحابی مشہور تک ان ہی رواۃ سے روایت لیتے ہیں جن کی عدالت وضبط پر ان کے زمانہ کے تمام مشائخ واساتذہ کا اجماع ہو چکا ہو، بخلاف ابوداود وغیرہ کے کہ وہ اس راوی سے بھی روایت لیتے ہیں جو فقط عند البعض ثقہ وضابط ہوں، بعض رواۃ ایسے ہیں جو شیخین میں سے صرف ایک شیخ کے یہاں عادل وضابط ہیں اور دوسرے کے یہاں نہیں، مثلا ابوالزبیر مکیؒ، سہیل بن ابی صالح، حماد بن سلمہؒ فقط علی شرط مسلم

ہیں اور عکرمہ مولی ابن عباسؓ، عمرو بن مرزوق فقط علی شرط البخاری ہیں، اور جن رواۃ کی جرح وتعدیل ائمہ ومشائخ کے یہاں مختلف فیہ ہے ان کی احادیث حضرات شیخین یا تو محل استشہاد میں لاتے ہیں یا اس مقام میں کہ مجمع علیہ طبقہ کے رواۃ میں سے اس میں کسی کی حدیث نہ ملے۔

امام بخاریؒ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث معنعن (عن فلان عن فلان) کا حکم اتصال کا نہیں ہے؛ الا یہ کہ راوی ومروی عنہ میں معاصرت کے علاوہ خاص اجتماع ولقاء بھی ثابت ومتحقق ہوجائے، گو عمر بھر میں ایک ہی بار ہو، اگر ملاقات کا ثبوت نہ ہو تو ایسی تمام احادیث قابل احتجاج نہ ہوگی، حتی کہ بخاری بسا اوقات کسی باب میں غیر متعلق حدیث محض اس غرض کے لیے لاتے ہیں کہ اس راوی کے سماع کی تصریح ہوجائے جس سے سابق میں بطریق عنعنہ تخریج حدیث کی ہے۔

امام مسلمؒ کے یہاں حدیث معنعن بحکم اتصال ہے جب کہ راوی ومروی عنہ میں معاصرت وامکان لقاء ثابت ہو، گو ان کی ملاقات خاصہ متحقق نہ ہو، مگر شرط یہ ہے کہ وہ راوی مدلس نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث معنعن کے اتصال واحتجاج کے لیے امام بخاریؒ کے یہاں لقاء وسماع ضروری ہے جب کہ امام مسلمؒ کے نزدیک محض معاصرت وامکان لقاء کافی ہے۔

قول فیصل:

دوسرے محدثین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اگر دونوں راوی ایک زمانہ کے ہوں تو حسن ظن سے کام لے کر ان دونوں کی ملاقات مان کر حدیث معنعن کو بحکم متصل سمجھیں گے، چنانچہ امام مسلمؒ نے پوری ذمہ داری سے اس مسلک کو قدیم وجدید علماء کا اجماعی مسلک

بتایا ہے اور ہر پہلو سے دوسرے قول کی کمزوری پیش کی ہے، اس لیے امام مسلمؒ کا مسلک بظاہر راجح ہے۔(مقدمہ لامع:۱/ ۲۴-۲۷)

امام بخاریؒ نے مرسل حدیث کو قابل احتجاج نہیں سمجھا ہے،لیکن ائمہ متبوعین اور صحابہ وتابعین سب اس کو برابر قبول کرتے رہے ہیں، کشف الاسرار للبزدوی (۲/۳) میں ہے کہ مراسیل کے قابل قبول ہونے پر تمام صحابہ کا اتفاق رہا ہے۔

امام بخاریؒ کی دلیل یہ ہے کہ معلوم نہیں درمیان کا راوی کیسا ہے،ممکن ہے غیر ثقہ ہو،لیکن فقہاء نے کہا ہے کہ جس راوی نے ارسال کیا ہے اس کو دیکھو، اگر وہ خود ثقہ اور عادل ہے اور قرون مشہود لہا بالخیر کا ہے تو اس کی حدیث مرسل قبول کرنی چاہئے،صحابہؓ کے زمانہ میں ارسال کا کافی رواج تھا،پھر تابعین میں بھی یہ رواج قائم رہا، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ جیسے ثقہ اور مستند لوگ حضرت علیؓ کا نام چھوڑ کر روایت کرتے تھے، اس لیے مراسیل کو ترک کرنے سے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ چھوٹ جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

امام بخاری اور جرح وتعدیل میں آپ کا منہج:

علامہ ذہبی (م:۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: جو شخص جرح وتعدیل کے سلسلہ میں امام بخاریؒ کے کلام کو پڑھے گا،وہ آپ کے تقوی ،ورع اور احتیاط وانصاف کو محسوس کرے گا،کسی کی تضعیف میں آپ زیادہ سے زیادہ "منکر الحدیث،سکتواعنہ، فیہ نظر" جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں،اور "فلان کذاب،یاکان یضع الحدیث" کے الفاظ بہت ہی کم استعمال کرتے ہیں؛ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں: اللہ تعالی میرا محاسبہ کسی کی غیبت کے سلسلہ میں نہیں فرمائے گا، یہ آپ کا غایت درجہ کا تقوی ہے۔

(سیر أعلام النبلاء:۱۲/ ۴۳۹-۴۴۱،الرفع والتکمیل:۳۹۹،۴۰۲)

محمد بن ابی حاتم الوراق فرماتے ہیں: میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن کوئی میرا خصم و مدمقابل نہیں ہوگا، تو میں (وراق) نے کہا: کہ کچھ لوگ قیامت کے دن آپ کے خلاف انتقام کے لئے کھڑے ہوں گے؛ کیونکہ آپ نے اپنی کتاب "تاریخ کبیر" میں ان پر کلام کیا ہے، تو امام بخاریؒ نے فرمایا: "إنمارويناذلك رواية،لم نقله من عند أنفسنا" یعنی میں نے تو ان کے بارے میں دوسروں سے سنی ہوئی باتیں نقل کی ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے، پھر امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ والی روایت "بئس أخو العشيرة" نقل کی۔

امام بخاری کا رواۃ کی جرح وتعدیل کے سلسلہ میں احتیاط برتنے کو امام ذہبی کی طرح حافظ ابن حجر اور علامہ سخاوی نے بھی ذکر کیا ہے۔ (ھدی الساری: ۵۰۴، الاعلان بالتوبیخ: ۹۰)

امام بخاریؒ کا رواۃ کی جرح کے سلسلہ میں احتیاط برتنے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے ایک طرف بخاری شریف میں صحت کا انتہائی درجہ خیال رکھا اور استخارہ بھی فرمایا؛ لیکن اس کے باوجود ہم بخاری کی صحیح اسانید میں کچھ غیر اہل سنت والجماعت رواۃ کو بھی پاتے ہیں، امام بخاری نے ان کی روایت کو ترک نہیں فرمائی۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ تسامح ان روایات میں ہوا ہے جس میں ان رواۃ کی وجہ سے شک پیدا نہیں ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کا قاعدہ ہے کہ وہ اہل تشیع، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کی روایت کو بھی قبول کرتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنے گمراہ مذہب کی طرف داعی نہ ہو، کذب کو حلال سمجھنے والا نہ ہو، اسی طرح کسی بھی وقت اباحت کذب کا اعتقاد رکھنے والا نہ ہو۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۲/۲۲۰، الباعث الحثیث: ۱۰۰)

ان شروط کی روشنی میں جب ہم امام بخاری کے رجال کو دیکھتے ہیں تو جن رواۃ میں اس طرح کی شرطیں یا ان میں سے کچھ نہیں پائی جاتی ہے تو ان کی روایات کو امام بخاری چھوڑ دیتے ہیں، اور شیعی ورافضی ہونے کے باوجود وہ ان شرطوں کا لحاظ کرتا ہے تو اس کی روایت قبول کرتے ہیں؛ چنانچہ کچھ اہل تشیع کی روایات قبول کرتے ہیں اور کچھ کی رد کر دیتے ہیں، وہاں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو امام بخاری ومحدثین کی شرطوں کے مطابق ہوتے ہیں ان کی روایات قبول کرتے ہیں، اور جو اپنے مذہب باطل کی طرف داعی ہو، بدعت کی ترویج اور شیعی مذہب کے مطابق استحلال کذب کو اپنے دین کا جزء مانتا ہو تو ایسے راوی کی روایت کا اعتبار نہیں کرتے ہیں۔

امام بخاری جس طرح جرح میں احتیاط برتتے ہیں، اس طرح راوی کے محاسن ذکر کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیتے ہیں، البتہ اوصاف حقیقیہ اور عدالت معتبرہ ذکر کرنے میں تردد کا شکار نہیں ہوتے ہیں۔

عدالت راوی میں ورع وتقوی کا یہ حال ہے کہ مشہور محدثین کے سلسلہ میں بھی مختصر عبارت ہی ذکر کرتے ہیں، چاہے وہ امام بخاری کے شیوخ ہی کیوں نہ ہو، یہ وطیرہ ہمیں امام بخاری کے اساتذہ کا انتخاب اور ان سے روایت لینے کے سلسلہ کا احتیاط بھی ظاہر کرتا ہے، چنانچہ امام بخاری خود فرماتے ہیں: ”لا یکون المحدث کاملا حتی یکتب عمن ھو فوقه وعمن ھو مثله وعمن ھو دونه.“ اساتذہ کا انتخاب یہ بھی آپ کے ورع وتقوی پر دلالت کرتا ہے۔

ملحوظہ:

”امام بخاریؒ کا طریقۂ استدلال واستنباط“ کتاب کی تألیف کے درمیان میرا مطمح

نظر صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ استدلال واستنباط ہی تھا،لیکن درمیان مطالعہ جرح وتعدیل کے سلسلہ میں آپ کی اصولی اصطلاحی باتیں بھی گذری،رواۃ کے سلسلہ میں آپ کا احتیاط،شروط بخاری اور عادات بخاری،تعلیقات،تدلیس کا الزام اوراس کی حقیقت، قبولیت خبرواحد کے شرائط ،حدیث ضعیف سے احتجاج کے بارے میں امام بخاری کا منہج اورروایت بالمعنی ،اختصارحدیث اور تقطیع وغیرہ عنوانات کے ضمن میں آپ کے اختلافات، خصوصیات وامتیازات بھی نظر نواز ہوئے، اور یہ صاف محسوس ہوا کہ ایک طرف بخاری شریف فقہی استنباطات اورلطیف اجتہادات میں تمام کتب حدیث پر سبقت لے گئی ہے تو دوسری طرف ضبط واتقان اورحدیث کے مختلف طرق،رجال،اسانید کی معرفت اورترتیب وتبویب میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے۔

لہذا اسی وقت دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ امام بخاری کے طریقۂ استدلال واستنباط کی طرح ان کے اصول حدیث اورجرح وتعدیل کے سلسلہ میں بھی مستقل لکھا جاوے،اس سلسلہ میں چند کتابیں بھی زیر مطالعہ رہیں، خاص کرکے دوکتابیں :(۱)منہج الامام البخاری فی تصحیح الاحادیث وتعلیلها اور(۲) الامام البخاری ومنهجه فی الجرح والتعدیل نے کافی متأثر کیا،امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری شریف کے علاوہ اپنی دوسری تألیفات میں جرح وتعدیل کے سلسلہ میں جوطویل کلام کیا ہے،اس کوامثال ودلائل کے ساتھ منهج الامام البخاری فی تصحیح الاحادیث وتعلیلها میں خوب واضح کیا گیا ہے،توبندہ کے دل میں مزید اشتیاق بڑھا، کہ امام بخاریؒ کے جرح وتعدیل کے اصول پرضرورلکھا جاوے؛تاکہ اس میں بھی ان کا منہج طلبۂ عزیز کے سامنے واضح ہوجائے،لہذا شعبۂ تخصص فی الحدیث کے استاذ محترم **مولانا عبداللہ صاحب لاجپوری سلمہ ربہ** کو بلاکران کے

ساتھ مشورہ ہوا، اوران کو یہ دونوں کتابیں اوردوسری اصول حدیث کی کتابیں؛ خاص کر کے مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی مختلف کتابوں پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے حواشی وغیرہ کی نشان دہی کی گئی، اورمولانا عبداللہ صاحب نے -الحمدللہ رب العالمین- مختصر مدت میں ان کتابوں سے اصطلاحات وقواعدِ جرح وتعدیل کو جمع کر کے بہت اچھے انداز اورعمدہ سلیقہ سے ترتیب دیا، اورسب سے اہم یہ کام کیا کہ امام بخاریؒ اور دیگر محدثین کی مراتب جرح وتعدیل میں مستعمل عبارات ومصطلحات کا موازنہ ومحاکمہ کر کے دیگر محدثین کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بہت شاندارنتائج اہل علم کے سامنے پیش کئے، جوکتاب کا لب لباب ہے؛ لیکن اس کے لئے انہوں نے کتب حدیث وجرح وتعدیل میں محنت شاقہ کر کے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ بلا افراط وتفریط مضامین کو ترتیب دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس عظیم خدمتِ حدیث پر اپنی شان عالی کے مطابق بدلہ عنایت فرمائے اورتاحیات احادیث نبویہ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بحرمۃ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم

(۷) اخبارآحاداوران کی استدلالی حیثیت:

خبرواحد کے افادۂ علم میں مختلف اقوال ہیں:

(۱)بعض کے نزدیک یہ مفیدظن ہوتی ہے۔(۲)بعض کے نزدیک یہ اپنی تمام صورتوں میں مفید علم (یقینی) ہوتی ہے،خواہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو یا نہ ہو۔اہل ظاہر یہی کہتے ہیں اور امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔(۳)بعض کے نزدیک اگراس کے ساتھ قرینہ شامل ہوتو مفید علم ہوتی ہے ورنہ نہیں، نظام اوران کے متبعین کا یہی مسلک ہے اورآمدی نے بھی اسی کو اختیارکیاہے۔(۴)بعض اصحاب حدیث کے

نزدیک بلاقرینہ صرف بعض صورتوں میں مفید علم ہوتی ہے ،تمام صورتوں میں نہیں،مثلاً حدیث مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اس جیسی سند کی حدیث مفید علم ہوگی۔(۵)باقی تمام لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مفید علم نہیں ہوتی، نہ قرینہ کے ساتھ اور نہ بلاقرینہ۔

امام بزدوی لکھتے ہیں کہ یہ علم یقینی کا افادہ نہیں کرتی؛ بلکہ اس سے علم غالب رائے پیدا ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد کی قبولیت کے لئے مندرجۂ ذیل شرائط عائد کرتے ہیں:

(۱) خبر واحد اس صورت میں مقبول ہے جب کہ وہ سنت مشہورہ (خواہ قولی ہو یا فعلی) کے خلاف نہ ہو،اس لئے کہ دو دلیلوں میں سے اس دلیل پر عمل کیا جاتا ہے جو قوی تر ہو۔

(۲) خبر واحد اس عمل متوارث کے خلاف نہ ہو، جو صحابہ وتابعین میں مشترکہ طور سے پایا جاتا ہے،خواہ وہ کسی شہر میں بھی سکونت پذیر ہوں،اس میں کسی شہر کی کوئی تخصیص نہیں۔

(۳) خبر واحد اس صورت میں مقبول ہے جب کہ کتاب اللہ کے عمومات وظواہر کے خلاف نہ ہو، اس لئے کہ کتاب اللہ کے ظواہر وعمومات قطعی الدلالت ہیں اور قطعی ظنی کے مقابلہ میں مقدم ہوتا ہے،جس صورت میں خبر واحد کتاب اللہ کے عموم یا ظاہر کے خلاف نہ ہو، بلکہ قرآن کی شرح وتفسیر پر مشتمل ہوتو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر عمل کرتے ہیں،اس لئے کہ شرح وتفسیر کے بغیر آیت قرآنی کسی بات پر دلالت ہی نہیں کرسکتی۔

(۴) جب خبر واحد قیاس جلی کے خلاف ہوتو اس صورت میں مقبول ہوگی؛ جب کہ اس کا راوی فقیہ ہو، راوی کے غیر فقیہ ہونے کی صورت میں اس امر کا احتمال ہے کہ راوی نے

روایت بالمعنی کی ہو اور اس میں اس سے غلطی سرزد ہوگئی ہو۔

(۵) یہ خبر واحد کا تعلق ایسے امور کے ساتھ نہ ہو جو عام لوگوں کو پیش آتے ہیں، مثلاً حدود و کفارات جو ادنی شبہ پیدا ہو جانے کی صورت میں باقی نہیں رہتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً ایسے امور سے اکثر لوگ باخبر ہوتے ہیں، نہ کہ صرف ایک دو شخص، اس لئے ایسے واقعات میں شہرت اور تلقی بالقبول ضروری ہے۔

(٦) عہد سلف میں کسی عالم نے اس حدیث پر جرح وقدح نہ کی ہو، نیز یہ کہ حدیث کے راوی نے کسی دوسرے صحابی کے اختلاف کی وجہ سے اس پر عمل کو ترک نہ کیا ہو۔

(۷) قبولیت خبر واحد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف نہ ہو، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اسے سات مرتبہ دھویا جائے؛ مگر وہ اس کے خلاف فتوی دیتے تھے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرنا ترک کر دیا۔

(۸) خبر واحد اس صورت میں مقبول ہے، جب اس کا راوی دیگر ثقہ راویوں کے خلاف اس حدیث کی سند یا متن میں کوئی اضافہ نہ کر رہا ہو، اگر وہ اضافہ کرے گا تو بنا بر احتیاط ثقات کی روایت پر عمل کیا جائے گا اور اس کے اضافہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(تانیب الخطیب محمد زاہد الکوثری: ۱۵۳، شرح التوضیح: ۲/ ۲۵۰)

شیخ وہبہ زحیلی خبر واحد کی حجیت اور خبر واحد پر عمل کرنے کے سلسلہ میں علماء کرام کے مذاہب ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

للائمة الاربعة مسالک فی العمل بخبر الواحد۔اما الحنفية : فانهم يشترطون للعمل بخبر الواحد شروطا ثلاثة:

(۱)الا يعمل الراوي بخلاف ما يرويه فان خالف فالعمل برأيه لا بروايته، اذ ان

مخالفته لم تكن الا بسبب ناسخ عَلِمَه، لهذا لم يعملوا بخبر ابي هريرة في الكلب، "اذا ولغ الكلب في اناء احدكم فليغسله سبعا احداهن بالتراب"، قالوا: فان اباهريرة اكتفى بالغسل ثلاثا كما روي الدارقطني۔

(۲) الا يكون موضوع الحديث فيما يكثر وقوعه وتعم البلوى به ويحتاج الناس الى بيانه؛ اذ ان ما شأنه كذلك ان تتوافر الدواعي على نقله بطريق التواتر او الشهرة، فروايته بطريق الآحاد تورث الشك في صحة صدوره عن الرسول صلى الله عليه وسلم، لهذا لم يعملوا بحديث رفع اليدين عند الركوع في الصلاة، ويلاحظ ان الشافعية اثبتوا نقل هذا الحديث عن اكثر من سبعين صحابيا۔

(۳) الايكون الحديث مخالفا للقياس والاصول الشرعية اذا كان الراوي غير فقيه، اذ ان الرواية بالمعنى كانت مستفيضة بين الرواة، فاذا لم يكن الراوي فقيها، كان من المحتمل ان يذهب شيء من المعنى الذي يبني عليه الحكم، ومن الرواة غير الفقهاء عندهم: ابو هريرة وسلمان الفارسي وانس بن مالك، لهذا لم يعملوا بحديث ابي هريرة في الشاة او الناقة المصراة (التي يجمع اللبن في ضرعها) وهو قوله صلى الله عليه وسلم: لا تُصروا الابل والغنم، فمن ابتاعها بعد فهو بخير النظرين، بعد ان يحتلبها، ان شاء امسك وان شاء ردها وصاعا من تمر۔

قالوا: ان رد صاع من تمر بدل اللبن مخالف للقياس ولقواعد الشرعية، فهو مخالف للمقرر في الضمان وهو المثل في المثليات والقيمة في القيميات، ومخالف ايضا لقاعدة "الخراج بالضمان" التي تجعل الغلة الناتجة من العين ملكا لمن هي في ضمانه؛ ومقتضى ذلك ان اللبن للمشتري، فالامر برد صاع

من تمر مخالف لهذه القاعدة۔

والحقيقة ان هذا الشرط هو رأي عيسى بن ابان وتابعه عليه متأخرو الحنفية، والمعتمد عندهم تقديم الخبر مطلقا، وان ابا هريرة كان فقيها، وابو حنيفة نفسه يعترف بفقهه، فقد اخذ بحديثه في افساد الصيام وهو قوله عليه السلام: ”من اكل او شرب ناسيا فليتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه“، وقال ابو حنيفة: لولا الرواية لقلت بالقياس، اى بفساد الصوم، فيكون ترك الحنفية للعمل بحديث المصراة باسباب اخرى غير القدح في الصحابي كالقول بان الحديث مضطرب او منسوخ او لم تثبت صحته لديهم ، وفي الجملة : لقد ناقشهم العلماء في اعذارهم وردوها كلها، قال الصنعاني في سبل السلام: الحديث اصل في النهي عن الغش، وهو تحريم التصرية للمبيع وثبوت الخيار بها۔ (اصول الفقه الاسلامی: ص: ۴۷۰، ۴۷۱، ج: ۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کے اہتمام شان کے پیش نظر بخاری شریف میں مستقل ایک عنوان قائم کیا، ” كتاب اخبار الآحاد“ اس میں چھ (٦) ابواب قائم کئے ہیں، اور خبر واحد کے قبول کرنے پر ۲۵ / دلائل ذکر کئے، بعض دلائل کتاب وسنت کے حوالہ سے ذکر کئے ، مثلاً باب ماجاء فى اجازة خبر الواحد الصدوق فى الاذان والصلاة والصوم والفرائض والاحكام، وقول الله تعالىٰ: وما كان المؤمنون لينفروا كافة، فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون۔ (التوبۃ ۱۲۲) دوسری آیت : وقوله تعالىٰ ان جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا (الحجرات: ٦) وكيف بعث النبى صلى الله عليه وسلم امراءه واحدا بعد واحد، فان سها احد منهم رُد الى السنة۔ (قبل حدیث ۷۲۴۶) ”فان سها“ والی عبارت تعارض یا

خطا کی طرف اشارہ کرتی ہے، اوراس عبارت میں اہل سنت والجماعت کی تائید ہوتی ہے کہ خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے، یقین کا نہیں، لیکن محض ظن کی وجہ سے رد نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ عمومی احکام غلبۂ ظن سے ہی مستفاد ہوتے ہیں، لہذا جب تک اس کے معارض اس سے کوئی قوی دلیل نہ ہو خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہوگا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ دلائل سنت سے ذکر کررہے ہیں، جو خبر واحد کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں۔(حدیث ۷۲۴۸، ۷۲۴۷، ۷۲۶۳، ۷۲۶۲، ۷۲۶۱، ۷۲۶۰، ۷۲۵۶، ۷۲۵۴، ۷۲۵۱، ۷۲۵۰)

پھر اخیر میں ایک باب "باب خبر المرأة الواحدة" سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایک مرد کی طرح ایک سچی عورت کی خبر بھی قبول کی جائے گی اوراس پر بھی احکام کی بنا ہوگی۔ (حدیث ۷۲۶۷) کتاب اخبار الآحاد کے علاوہ بھی دو مقامات پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کی حجیت کو ذکر کیا ہے: (۱) **باب هل يجوز للحاكم ان يبعث رجلا واحدا وحده للنظر في الامور**۔(حدیث ۷۱۹۳) (۲) **باب ترجمة الحكام وهل يجوز ترجمان واحد**۔ (قبل حدیث ۷۱۹۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر احکام کے دلائل تفصیلیہ کے لئے خبر واحد کو حجت بنایا ہے، البتہ عقائد کے ثبوت کے لئے خبر واحد کے حجت ہونے کو صراحةً ذکر نہیں کیا ہے، اس وجہ سے بعض شراح نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد کی عقائد کے سلسلہ میں حجیت کے قائل نہیں ہے، چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے:

ليعلم انما هو في العمليات، لا في الاعتقاديات۔

(فتح الباری: ۱۳/ ۲۳۴، عمدۃ القاری: ۲۰/ ۱۸۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ہے؛ البتہ ان کے کلام کے مفہوم مخالف سے یہ محسوس ہورہا ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب حدیث کے قبول ورد کے سلسلے میں حنفیہ کا مذاق خاص ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حنفیہ کے طریقۂ استدلال کے سلسلہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کے یہاں روایات کے مقبول اور نامقبول ہونے میں اس بات کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے کہ جو روایت شریعت کے عمومی مزاج ومذاق اور اصول وقواعد سے مطابقت رکھتی ہے، بعض اوقات سند میں ضعف کے باوجود مقبول ہوتی ہے اور بعض روایتیں گوسند کے اعتبار سے قوی ہوتی ہیں؛ لیکن چوں کہ اپنے مضمون اور متن کے اعتبار سے شریعت کے عام اور مسلمہ اصول ومبادی کے خلاف ہیں؛ اس لئے ایسی حدیثیں رد کردی جاتی ہیں، چنانچہ قاضی ابوزید دبوسی فرماتے ہیں: **الاصل عند اصحابنا ان خبر الآحاد متی ورد مخالفا لنفس الاصول لم یقبل اصحابنا۔**

ہمارے اصحاب کے نزدیک اصول یہ ہے کہ خبر واحد نفس اصول کے خلاف ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کے یہاں بہت سے مسائل ہیں جو بظاہر اسی اصول پر منطبق ہیں، جیسے حیوانات کے فضلہ کا ناپاک ہونا، عورت کے یا شرم گاہ کے چھونے کا ناقض وضو نہ ہونا، پتھر سے استنجاء میں تین پتھروں کا واجب نہ ہونا اور جس جانور کا دودھ تھن میں روک رکھا گیا ہو، (مصراة) اس کو فروخت کرنے کے مسئلہ میں حدیث کی ظاہری مراد پر عمل کرنے کے بجائے تاویل وتوجیہ کی راہ اختیار کرنا اور اس طرح کے کتنے ہی مسائل ہیں؛ جن میں نمایاں طور پر اس قاعدہ کا اثر محسوس ہوتا ہے۔

متعارض احادیث کی ترجیح میں بھی حنفیہ نے اس اصول سے فائدہ اٹھایا ہے، جیسے صلوۃ کسوف (سورج گہن کی نماز) ہی سے متعلق روایتوں کو دیکھئے؛ جن میں ایک رکعت

میں ایک رکوع سے پانچ رکوع کی تعداد مروی ہے، جمہور نے سند کے قوی ہونے پر نگاہ رکھتے ہوئے اس روایت کو ترجیح دیا، جس میں ایک رکعت میں دو رکوع کا تذکرہ ہے، حنفیہ نے ان روایتوں کو ترجیح دیا، جس میں ایک رکوع کا اشارہ ملتا ہے؛ کیوں کہ یہ نماز کی عمومی کیفیت سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

حنفیہ کے بعد غالباً مالکیہ کے یہاں اس اصول کو زیادہ برتا گیا ہے، علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اس طرح روشنی ڈالی ہے: خبر واحد جب شریعت کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے معارض ہو تو کیا اس پر عمل کرنا جائز ہوگا؟ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اس پر عمل کرنا جائز نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جائز ہے، اور امام مالک کو اس میں تردد ہے، اور مشہور قول -جس کو قبول کیا گیا ہے- یہ ہے کہ اگر دوسرا قاعدہ اس کی تائید میں ہو تو اسے قبول کیا جائے گا اور اگر خبر واحد تنہا ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

حدیث کے مقبول ہونے کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں ایک اہم اصول یہ ہے کہ حدیث کا صحابہ وتابعین اور ائمۂ مجتہدین کے درمیان درجۂ قبول حاصل کر لینا، بجائے خود اس کے معتبر ومقبول ہونے کی دلیل ہے، اسی کو اہل علم نے تلقی بالقبول سے تعبیر کیا ہے، ''تلقی بالقبول'' کی وجہ سے بعض روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود اہل علم کے یہاں پایۂ قبول حاصل کر لیتی ہیں اور اگر صحیح یا حسن ہیں تو ان کے استناد واعتبار میں اضافہ ہو جاتا ہے؛ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو وہ تواتر کے درجہ میں آجاتی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے ''طلاق الامة ثنتان وعدتها حيضتان'' والی روایت منقول ہے: ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا:

وان کان واردة من طریق الآحاد، فصار حیز التواتر لأن ماتلقاہ الناس من اخبار الآحاد بالقبول فھو عندنا فی معنی المتواتر لما بیناہ۔ (احکام القرآن الکریم للجصاص: ۱۳۰،۲)

اگر چہ یہ خبر واحد کے طریقہ پروارد ہوئی ہے؛ لیکن یہ تواتر کے درجہ میں ہے، اس لئے کہ جس خبر واحد کو لوگ قبول کرلیں، وہ ہمارے نزدیک تواتر کے حکم میں ہے، اسی بناء پر جو ہم بیان کرچکے ہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس موضوع پر بحث کے بعد رقم طراز ہیں:

بل الحدیث اذا تلقتہ الامة بالقبول فھو عندنا فی معنی التواتر۔

(قواعد فی علوم الحدیث: ۶۲)

بلکہ حدیث کو جب امت میں قبول عام حاصل ہوجائے تو ہمارے نزدیک وہ تواتر کے معنی میں ہے۔ (فقہ حنفی اور حدیث: ص: ۱۲-۱۷، ط: ایفا پبلیکیشنز)

اصول فقہ میں احناف کی دوسری خصوصیت نصوص شرعیہ سے غایت درجہ اعتناء ہے، اصحاب رائے خبر واحد کے مقابلہ میں قیاس کو قابل ترجیح تصور کرتے تھے، خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجحان بھی شاید اسی طرف تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ روایت نقل کی کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضوء ٹوٹ جائے گا تو ابن عباس نے قیاس ہی سے اس کا رد فرمایا کہ اگر ایسا ہو تو گرم پانی سے وضو کرنے کا حکم کیا ہوگا؟ لو توضأت بماء سخن؟ اسی طرح جب یہ روایت آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچی کہ جنازہ اٹھانے والے پر وضوء واجب ہے من حمل فلیتوضا تو فرمایا کہ کیا خشک لکڑیوں کے اٹھانے سے ہم پر وضوء واجب ہوجائے گا اتلزمنا الوضوء عیدان یابسة؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اصحاب رائے میں شمار کئے جاتے ہیں، مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کو قیاس پر مقدم رکھا:

اذا تعارض خبر الواحد والقیاس بحیث لا جمع بینھما ممکن قدم الخبر الواحد مطلقا عند الاکثرین، منھم ابو حنیفۃ والشافعی واحمد۔

خبر واحد اور قیاس میں ایسا تعارض واقع ہوجائے کہ دونوں کے درمیان تطبیق ممکن نہ رہے تو اکثر علماء کے نزدیک خبر واحد مقدم ہوگی، یہی رائے امام ابوحنیفہ،شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کی ہے۔

پھر چوں کہ قرآن مجید کی اولیت اور استناد واعتبار کے لحاظ سے اس کے تفوق کو پیش نظر رکھتے ہوئے احناف نے خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص اور اطلاق کی تقیید کی اجازت نہیں دی ہے،لہذا ان فقہاء نے خبر متواتر اور خبر واحد کے درمیان حدیث کی ایک قسم مقرر فرمائی اور اس کو''خبر مشہور'' سے تعبیر کیا،ایسی روایت جو قرن اول میں تو خبر واحد ہی رہی ہو،لیکن اس کے بعد اس کو قبول عام حاصل ہوگیا ہو اور اس کے ذریعہ کتاب اللہ میں تخصیص اور تقیید وغیرہ کی اجازت دی،اس طرح خبر واحد کا ایک قابل لحاظ حصہ اپنے ظاہری مفہوم کے ساتھ مقبول اور معمول ہوگیا۔

گویا خبر مشہور وہ ہے جو کو عہد صحابہ میں اخبار آحاد کے قبیل سے ہو،لیکن تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں اسے قبول عام حاصل ہوگیا ہو،علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے؛ چنانچہ خبر مشہور کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی کے درست ہونے کی وجوہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لان الامۃ تلقتہ بالقبول واتفاقھم علی القبول لایکون الا بجامع جمعھم علی ذلک۔(المنار مع کشف الاسرار:۲/۱۳)

اس لئے کہ علماء کے درمیان قبول عام اور قبولیت پر اتفاق کسی ایسے سبب سے ہی

ہوسکتا ہے، جس نے ان سب کو اس پر متفق کیا ہو۔

حالاں کہ حنفیہ کے یہاں خبر واحد سے کتاب اللہ کے عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید نہیں کی جاسکتی، لیکن متعدد روایتیں ہیں کہ احناف نے ان کے ذریعہ تخصیص وتقیید کی ہے، جیسے: "القاتل لا یرث" قاتل (مقتول سے) وارث نہیں ہوسکتا۔

یقید الاب من ابنه ولا یقید الابن من ابیه۔ (باپ بیٹے سے قصاص لے گا، بیٹا باپ سے قصاص نہیں لے سکتا)

لا زکوۃ فی مال حتی یحول علیه الحول۔ (مال میں زکوۃ نہیں، جب تک اس پر سال نہ گذر جائے)

اسی لئے کہ یہ اور اس طرح کی اخبار آحاد نے قبول عام کی وجہ سے ایک خصوصی درجہ استناد واعتبار حاصل کرلیا ہے۔ (فقہ حنفی اور حدیث، ص:۲۰)

حنفیہ کے یہاں حدیث پر عمل کا اس درجہ کا اہتمام ہے کہ ان کے یہاں یہ بات اصول کے درجہ میں ہے کہ جن مسائل میں کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہو؛ لیکن ایسی ضعیف روایات موجود ہوں جن کے راوی پر کذب کی تہمت نہ ہو، تو بمقابلہ قیاس کے ایسی ضعیف احادیث پر عمل کیا جائے گا، مشہور محدث اور فقیہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا مذہب اس طرح بیان کیا ہے:

ان مذهبهم تقدیم الحدیث الضعیف علی القیاس المجرد الذی یحتمل التزییف۔ (مرقاۃ المفاتیح:۱/۳)

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیث ضعیف کو مجرد قیاس پر، جو کھوٹ کا احتمال رکھتا ہے، مقدم رکھا جائے۔

علامہ ابن حزم کو بھی اعتراف ہے کہ **جمیع الحنفیة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة هی ان ضعیف الحدیث عنده اولی من الرأی۔**

(مقدمة فی علوم الحدیث للتهانوی: ۶۹)

تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس سے بڑھ کر ہے۔

اور علامہ ابن القیم رقمطراز ہیں: **واصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث عنده اولی من القیاس والرأی، وعلی ذلک مبنی مذهبه کما قدم حدیث القهقهة مع ضعفه علی القیاس والرأی۔**

(اعلام الموقعین: ۷۷/۱)

حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے نزدیک قیاس اور رائے پر مقدم ہے، اور اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے، جیسا کہ انہوں نے قہقہہ کی حدیث کو اس کے ضعیف ہونے کے باوجود قیاس ورائے پر ترجیح دی ہے۔

طلبہ کی کاوشوں کا اجمالی خاکہ:

الحمدللہ دارالعلوم ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں تخریج و تحقیق کا کام کرنے والے باذوق وہمت والے صالح نوجوان فاضل مولانا عبداللہ لاجپوری صاحب نے زجاجۃ المصابیح کی تخریج کے کام کے ساتھ ساتھ ''اخبار آحاد کی استدلالی حیثیت'' نامی کتاب بھی بہت محنت کے ساتھ تیار کی ہے، جس میں ابتدائی تمہیدی کلام کے بعد خبر واحد کی قبولیت کی شرائط پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے اس کا دیگر ادلۂ شرعیہ سے موازنہ اور حنفیہ کا موقف بہت اچھے انداز میں واضح کیا ہے۔ جس سے اس موضوع پر اچھا خاصا مواد جمع ہوگیا ہے جو اس موضوع کے متلاشی حضرات کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا - ان شاءاللہ العزیز - حق سبحانہ وتعالی کی

بارگاہ عالی میں دعاء ہے کہ وہ فاضل مؤلف کی حدیثی خدمات کو قبول فرما کر مزید توفیق عنایت فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمارے ادارے میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے قیام کے سال اول سے لے کر ابتک طلبہ نے جن کتابوں پر تخریج کا کام کیا ہے اس کے بعد وہ کام تحقیق وتعلیق کی شکل میں منظر عام پر بھی آ چکا ہے، اس کو اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) سال اول کے طلبہ نے حضرت اقدس تھانویؒ کی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' کی احادیث پر کام شروع کیا، اور اس کتاب کی کل ۴۱؍فصلوں میں سے ۲۰؍فصلوں کا کام سال کے آخر تک مکمل کردیا، اس کے بعد ۲۰؍فصلوں پر تحقیق وتعلیق کا کام ادارے کے مؤقر استاذ مولانا مفتی عبدالرشید صاحب منوبری نے شروع کیا، اور اس کی جلد اول ''فرحۃ اللبیب'' کے عنوان سے منظر عام پر آ چکی ہے، موصوف نے اس کتاب کی تحقیق میں انتہائی محنت کا ثبوت پیش کیا ہے، اور ہر حدیث کو اس کے اصل مصادر سے تلاش کرکے ان کا حوالہ پیش کیا، اور جہاں کسی حدیث کی مختلف سندوں کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آسکتی ہو، وہاں تمام سندوں کا نقشہ بنا کر اس کو قریب الی الفہم کرکے کتاب کی قیمت کو دوبالا کردیا، اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ مابقیہ فصلوں کا کام بھی موصوف کے ہاتھ مکمل ہوگا، ان شاء اللہ۔

(۲) اس کے بعد سال دوم سے لے کر سال ہشتم کے درمیان میں آنے والے تمام طلبہ (جن کی تعداد ۳۰؍ہے) نے مولانا سید ابوالحسنات عبداللہ کی کتاب ''زجاجۃ المصابیح'' -جس کو مشکوۃ الحنفی کہا جاتا ہے- کی احادیث پر تخریج کا کام شروع کیا، اور آٹھویں سال کے طلبہ کے ہاتھوں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس کے بعد طلبہ کی اس محنت اور تخریج پر نظر ثانی اور تحقیق وتعلیق کا کام ادارے کے مؤقر استاذ مولانا محمد عبداللہ صاحب لاجپوری نے شروع کیا، موصوف نہایت عمدگی، عرق ریزی، اور جاں فشانی کے ساتھ کام کر رہے ہیں، مسئلہ کی نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے جہاں مزید دلائل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، وہاں دیگر کتب احادیث سے احناف کے دلائل پیش کرتے ہیں، مشکل الحدیث کو واضح کرتے ہیں، جہاں تطبیق کی ضرورت ہوتی ہے وہاں احادیث کے مابین جمع بھی کرتے ہیں، اس طرح احناف کے مستدلات اور دلائل میں ایک نہایت شاندار کام اس کتاب میں جمع ہو رہا ہے، جس کی دو جلدیں "جھود المراجیح فی تخریج احادیث زجاجة المصابیح" کے عنوان سے چھپ کر منصۂ شہود پر آ چکی ہے، اللہ تعالی مابقیہ کے اتمام کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۔

(۳) اس کے بعد سال نو (۹) سے لے کر بارہویں (۱۲) سال کے درمیان میں داخلہ لینے والے طلبہ نے (جن کی تعداد ۳۴ ہے) تفسیر مظہری کی احادیث پر کام شروع کیا، اور بارہویں سال کے طلبہ نے یہ کام مکمل کر دیا، الحمدللہ، ان تمام طلبہ کی تخریج کی فائلیں شعبہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

کتاب "جھود المراجیح" کی تکمیل کے بعد اس کتاب کا کام شروع ہوگا، اور طریقہ یہ رہے گا کہ حدیث کو اس کے مصدر اصلی کی طرف منسوب کریں، اس کے بعد جس حدیث کی صحت یا اس کا حسن واضح ہوگا تو فبہا؛ ورنہ علماء اور محدثین کے اقوال کی روشنی میں اس کا درجہ متعین کیا جائے گا، اور جہاں کوئی راوی متکلم فیہ ہو وہاں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال سے استفادہ کریں گے، تاکہ اس کا ثقہ یا ضعیف ہونا واضح ہو جائے، اللہ تعالی اس نہج پر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(۴) اس کے بعد امسال کے طلبہ درس نظامی کی مشہور کتاب "مشکوۃ المصابیح" پر کام کررہے ہیں، مشکوۃ شریف ایسی معتبر ومستند اور مقبول کتاب ہے کہ اس کی بے شمار عربی اور اردو شروحات علماء کی محنت سے منصہ شہود پر آچکی ہیں۔

ہمارے شعبہ کے طلبہ اس کتاب پر الگ نوعیت سے کام کررہے ہیں، وہ اس طور پر کہ صاحب مشکوٰۃ نے ہر حدیث کو جن مصادر اصلیہ کی طرف منسوب کیا ہے، سب سے پہلے طلبہ ان مصادر کی ایک یا دو مشہور شرح کا حوالہ پیش کرتے ہیں، مثلا بخاری شریف کے لئے، "فتح الباری" اور "عمدۃ القاری"، مسلم شریف کے لئے "شرح نووی" اور "فتح الملهم" مع تكملة، ابو داود کے لئے "بذل المجهود" ترمذی کے لئے "تحفة الاحوذی" اور نسائی اور ابن ماجہ کے لئے علامہ سندیؒ کا حاشیہ، اور مسند احمد کے لئے "الفتح الربانی" وغیرہ۔ اور سب سے آخر میں مشکوۃ شریف کی دو عربی شرح "مرقاۃ المفاتیح" اور "التعلیق الصبیح" کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

نیز حدیث میں اگر کوئی کلمہ مشکل آگیا تو "مجمع بحار الانوار" اور "النهاية" سے اس کی وضاحت کرتے ہیں، اسی طرح راویٔ حدیث (خواہ صحابی ہو یا غیر صحابی) اگر غیر مشہور ہے، یا کنیت کے ساتھ آیا ہے، تو اسماء رجال کی کتابوں سے اس کو واضح کرتے ہیں، اسی طرح حدیث کا کوئی جملہ قابل تشریح ہے تو شرح سے اس کا مطلب ذکر کردیتے ہیں، تاکہ حدیث کا سمجھنا آسان ہوجائے۔

اللہ تعالی اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

❖❖❖